قیمت: چار روپے

انٹرنیشنل

ملی ٹائمز

نئی دہلی

اردو کا پہلا بین الاقوامی ہفت روزہ

اس شمارے میں

AUSTRALIA	A$3.50	DENMARK	D. KR. 14.00	ITALY	LIT. 3,000	NEWZEALAND	NZ$4.95	SRILANKA	Rs 40
BANGLADESH	Taka 20	FRANCE	Fr 10	JAPAN		NORWAY	N.KR12.00	SWEDEN	Kr 15
BELGIUM	Fr 70	FINLAND	F.MK 10.00	KOREA	W 1.800	PAKISTAN	Rs. 15	SWITZERLAND	Fr 3
BRUNEI	B$4.50	GERMANY	DM3.50	MALAYSIA	RM 3.00	PHILIPPINES	P 25	THAILAND	B 40
CANADA	C$3.50	HONGKONG	HK$15.00	MALDIVES	Rf 12.00	SAUDI ARABIA	SR 3	U.K.	£ 1.30
CHINA	RMB 12.50	INDONESIA	RP 3,400 (INC PNN)	NETHERLANDS	G 3.30	SINGAPORE	S$ 2.50	U.S.A.	US $ 3.00

رتھ یاتراؤں کے نام پر پھر شروع ہونے والا ہے

خونیں کھیل

کہنے کو تو مرکزی حکومت نے وشوہندو پریشد جیسی فسطائی جماعت پر پابندی عائد کر رکھی ہے لیکن کیا حقیقتاً ایسا ہے؟ اس سوال کا جواب کوئی بھی بڑی آسانی سے نفی میں دے سکتا ہے کیونکہ وشوہندو پریشد نہ تو خود کو پابند اور غیر قانونی محسوس کرتی ہے نہ حکومت نے عملاً ایسا کوئی قدم اٹھایا ہے جس سے اس کی سرگرمیاں متاثر ہوں۔ کاغذی خانہ پری ہوگئی ہے اور وہ بھی مسلمانوں کو بیوقوف بنانے کے لئے تاکہ اسی بہانے ان کی ناراضگی کا درجہ حرارت کچھ کم کیا جاسکے۔ یہ قدم سب کو معلوم ہے کہ ریاستی انتخابات کے پیش نظر اٹھایا گیا تھا۔ مقصد اسی بہانے مسلم ووٹوں پر قبضہ کرنا بھی تھا۔ لیکن مسلمان کانگریس کے اس دام فریب میں نہیں پھنسے۔ ادھر حکومت نے وشوہندو پریشد کو پوری چھوٹ دیدی۔ کاغذی سطح تک یہ تنظیم غیر قانونی اور اس کی تمام سرگرمیاں غلط ہیں۔ لیکن عملی میدان میں اس حکم کا اطلاق نہیں ہورہا ہے اور پریشد کو اپنی سرگرمیاں جاری رکھنے کی پوری آزادی ہے۔ اس کے لیڈروں جیسے سادھوی رتمبرا وغیرہ کو انتخابی پروگراموں میں مسلم مخالف زہر افشانی کی چھوٹ ہے اور پریشد کے اہم رہنماؤں کو میٹنگ وغیرہ کرنے کی بھی اجازت حاصل ہے۔ یہاں تک کہ وہ اجودھیا میں بھی اپنی میٹنگ کر رہے ہیں اور ملک میں نفرت و جنون کی فضا پروان چڑھانے کی حکمت عملی ترتیب دے رہے ہیں۔

یاتراؤں کے نتیجے میں ایسے کرفیوزدہ مناظر کی بہتات ہوجاتی ہے

متھرا کی عیدگاہ اور بنارس کی گیان واپی مسجد پہلے بھی خطرے میں تھیں۔ سب سے زیادہ خطرہ چوں کہ بابری مسجد پر تھا اس لئے پہلے اس کی شہادت ہوئی۔ اس کے بعد کچھ دنوں تک وشوہندو پریشد کے فرقہ پرست لیڈر خاموش تھے لیکن اب وہ پھر میدان میں آنے کو پر تول رہے ہیں۔ تاکہ ہندو عوام کے مذہبی جذبات کو زیادہ سے زیادہ برانگیختہ کیا جائے۔ اس کے پیچھے بی جے پی کا بھی ہاتھ ہے کیونکہ جنونی ماحول کا فائدہ تو اسی کو اٹھانا ہے۔ ریاستی انتخابات میں چونکہ بی جے پی اس کے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتی اس لئے اس کو فرقہ وارانہ منافرت کی آکسیجن ہر حال میں چاہئے۔ لہٰذا ایک مشترکہ حکمت عملی کے تحت متھرا کی عیدگاہ اور بنارس کی گیان واپی مسجد کو اب سنگھ پریوار کے ایجنڈے میں سب سے اوپر جگہ دے دی گئی ہے۔ پورے ملک کا ماحول گرم کرنے کے لئے ہندوؤں کی نام نہاد مذہبی تذلیل کا پروپیگنڈہ ایک بار پھر شدومد سے کیا جانے والا ہے۔

وشوہندو پریشد کی جاری سرگرمیوں اور آئندہ اس کے خطرناک شکل وصورت اختیار کرنے پر خفیہ ایجنسیوں نے مرکز کو رپورٹ دیدی ہے۔ لیکن کیا مرکز اس رپورٹ کی روشنی میں کوئی احتیاطی بندوبست کرے گا؟ اس کا امکان دور دور تک نہیں ہے۔ تجربہ بتاتا ہے کہ ایسی رپورٹیں گرد کھاتی رہتی ہیں اور ان پر کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو بابری مسجد کی شہادت کا المناک حادثہ واقع نہیں ہوتا اس وقت بھی خفیہ ایجنسیوں نے مرکز کو رپورٹیں ارسال کی تھیں لیکن انہیں ردی کی ٹوکری کی نذر کردیا گیا تھا۔ اس وقت بھی ایسی رپورٹیں وزارت داخلہ کی میز پر رکھی ہوئی ہیں جن میں مذکورہ دونوں عبادتگاہوں کے حفاظتی بندوبست میں اضافے کی سفارش کی گئی ہے۔

وشوہندو پریشد کی جاری سرگرمیوں اور آئندہ اس کے خطرناک شکل وصورت اختیار کرنے پر خفیہ ایجنسیوں نے مرکز کو رپورٹ دیدی ہے۔ لیکن کیا مرکز اس رپورٹ کی روشنی میں کوئی احتیاطی بندوبست کرے گا؟ اس کا امکان دور دور تک نہیں ہے۔

سنگھ پریوار اس بات کو خوب سمجھتا ہے کہ رتھ یاتراؤں کے ذریعے ہندو جذبات کو بھڑکانے میں آسانی ہوتی ہے۔ اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ ایکاتمتا رتھ یاترا، رام شلا رتھ یاترا، چرن پادو کا رتھ یاترا اور اڈوانی کی رتھ یاترا خوں ریز ماحول برپا کرنے میں کامیاب رہی ہیں۔ اسی نقش قدم پر چلتے ہوئے پریشد نے ایک بار پھر رتھ یاترائیں نکالنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس یاترا میں اجودھیا، متھرا اور بنارس کی دعولی کی دو لاکھ پڑیا بنائی جائے گی اور اسے ہندوؤں میں تقسیم کرکے ہندو احیا پرستی کا ماحول سازگار کیا جائے گا۔ یہ رتھ یاترا ملک گیر پیمانے پر نکلے گی۔ اس کا فیصلہ ابھی حال ہی میں پریشد کے لیڈروں کی اجودھیا میں ہوئی میٹنگ میں لیا گیا۔ پریشد کے لیڈروں کا خیال ہے کہ پابندی کے خلاف سخت رد عمل ظاہر کیا جائے اس کے لئے حال ہی میں ہوئی کارسیوک پورم اجودھیا کی میٹنگ خطرناک اشارہ دے رہی ہے۔

ہندوؤں کے جذبات کو ورغلانے اور وشوہندو پریشد، آر ایس ایس اور بجرنگ دل کے واکروں میں نیا جوش پھونکنے اور ملک میں منافرت پھیلانے کے لئے فروری سے اکتوبر تک تقریباً نصف درجن بڑے بڑے پروگرام منعقد کئے جائیں گے۔ ان میں زیادہ توجہ دیہی علاقوں پر دی جائے گی۔ پہلا پروگرام 27 فروری کو ہورہا ہے۔ اس کے تحت سبھی شیو مندروں میں بنارس کے نام نہاد کاشی مندر کی آزادی کے لئے عہد لئے جائیں گے۔ یہ پروگرام ساڑھے تین لاکھ گاؤوں میں کئے جارہے ہیں۔

مارچ میں ہندوؤں کا تہوار ہولی پڑرہی ہے۔ اس موقع پر متھرا کی عیدگاہ کو نشانہ بنایا جائے گا اور متھرا کی ہولی کے نام پر عیدگاہ پر قبضہ کرنے کی کوشش جائے گی۔ اس کے بعد ایک اپریل سے تیس اپریل تک ایسے دس ہزار نوجوانوں کو ٹرینڈ کیا

باقی صـ۱۴ـ پر

مسلمانوں کو ہراساں کرنے کے لیے ٹاڈا کا اندھا دھند استعمال کیا گیا

ٹاڈا سے متعلق چشم کشا رپورٹ کا ایک حصہ

انگریزی روزنامہ ٹائمز آف انڈیا نے حال ہی میں ٹاڈا قانون کے غلط اور ناجائز استعمال پر قسط وار رپورٹیں شائع کی ہیں۔ ان میں بمبئی، حیدرآباد، گجرات، اور دوسرے علاقوں کے مسلمانوں پر ٹاڈا کی مار پر تفصیلی نظر ڈالی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ ٹاڈا ایک غلط اور سیاہ قانون ہے۔ مثالوں سے رپورٹ میں ثابت کیا گیا ہے کہ کس طرح پولیس نے اس قانون کا سہارا لے کر عوام پر بیجا ظلم ڈھایا ہے۔ ان قسط وار رپورٹوں کے ایک حصے میں کہا گیا ہے کہ ٹاڈا قانون کے نفاذ کے خلاف شروع سے ہی انسانی حقوق کے میدان میں کام کرنے والوں نے اپنے رد عمل کا اظہار کیا ہے لیکن جب بمبئی کے مسلمانوں نے یہ شکایات کی کہ 12 مارچ 93 کے سیریل بم دھماکوں کے بعد اس قانون کا سہارا لے کر انہیں بری طرح ہراساں کیا گیا ہے تو یہ قانون ایک انتخابی ایشو بن گیا اور برسر اقتدار کانگریس بھی اپنے انتخابی منشور میں اس قانون کے استعمال میں تخفیف کی باتیں کرنے لگی۔ یہاں تک کہ حال ہی میں مکمل ہوئے مہاراشٹر کے ریاستی الیکشن کے فوراً بعد وزیر اعلیٰ شرد پوار نے اپنی پہلی پریس کانفرنس میں اس کا اعتراف کیا کہ اس قانون کا اندھا دھند استعمال ہوا ہے اور یہ کہ اس پر کچھ پابندی انتہائی ناگزیر ہوگئی ہے۔ لیکن پھر بھی وہ اس قانون کو یکسر ختم کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔ پوار کا کہنا ہے کہ اس قانون کی رو سے پولیس کو کچھ اضافی اختیارات حاصل ہوجاتے ہیں تاکہ وہ دہشت گردی سے نمٹ سکے۔ وہ اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ مہاراشٹر میں اس قانون کا وسیع پیمانے پر استعمال ہوا ہے۔

پولیس ہیڈ کوارٹرز کے ذریعہ فراہم کئے گئے اعداد وشمار کے مطابق 1988 سے 1996 کے درمیان بمبئی پولیس نے اس قانون کے تحت 1251 افراد کو گرفتار کیا ہے۔ جن میں 689 غیر مسلم 454 مسلمان اور 79 سکھ ہیں۔ بمبئی پولیس اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہے کہ بمبئی میں سیریل بم دھماکہ کے بعد اس قانون کے تحت مسلمانوں کو بری طرح ستایا اور ہراساں کیا گیا ہے۔ ٹاڈا کا خوف دلاکر مسلم تاجروں سے پیسے وصول کئے گئے۔ بمبئی فسادات میں پولیس کے گھناؤنے رول کے پیش نظر پولیس والوں سے یہ بعید بھی نہیں ہے

جسٹس مہتہ کے مطابق غلط طریقے سے 93 کیس ٹاڈا کے تحت درج کیے گئے ان معاملات کو ٹاڈا کے بجائے انڈین پینل کوڈ یا سی آر پی سی کے تحت درج کرنا چاہیے تھا۔ ان 93 معاملات میں 83 مسلمانوں سے تعلق رکھتے تھے۔

بمبئی پولیس کے مطابق اس قانون کا زیادہ استعمال 1993 میں ہوا جب اس کے تحت 483 افراد کو حراست میں لیا گیا۔ ان میں سے 192 کو بم دھماکوں کے تعلق سے اور 154 کو فسادات کے تعلق سے گرفتار کیا گیا۔ تاہم ڈائرکٹر جنرل آف پولیس اے وی کرشنن کا کہنا ہے کہ ٹاڈا کو قائم رکھنے کی بہت سی وجوہات ہیں۔ وہ وردبھ میں نکسلائٹس، پنجاب میں دہشت گردی اور بمبئی میں سیریل دھماکوں کو اس قانون کے جواز کی وجوہات بتاتے ہیں۔ وہ اس سے انکار کرتے ہیں کہ ٹاڈا کا بیجا استعمال ہوا ہے لیکن یہ بھی کہتے ہیں کہ ہر معاملے پر ٹاڈا کا نفاذ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ جرائم سے نمٹنے کے لئے اور بھی موثر قوانین ہیں۔

اسپیشل انسپکٹر جنرل (لاء اینڈ آرڈر) ایس سی ملہوترہ کے مطابق 1988 سے 1994 کے درمیان ٹاڈا کے تحت 785 کیس درج کئے گئے اور ان کے تحت 2587 افراد کی گرفتاری عمل میں آئی۔ لیکن وہ یہ نہیں بتا پاتے کہ کتنے لوگوں کو سزا دی گئی۔ ان گرفتار شدہ 2534 افراد میں سے 885 کو ضمانت پر رہا کردیا گیا اور 104 افراد پر سے چارج ختم کردیا گیا۔

یہ سب ٹاڈا ریویو پینل کے جج جسٹس ڈی، این، مہتہ کی کوشش سے ہوا۔ اس عدالت نے ٹاڈا کے تحت رجسٹرڈ کئے گئے معاملات کا گہرا جائزہ لیا اور غلط طریقے سے حراست میں لئے گئے افراد کو رہا کرنے کی سفارش کی۔ جسٹس مہتہ کے مطابق غلط طریقے سے 93 کیس ٹاڈا کے تحت درج کئے گئے ان معاملات کو ٹاڈا کے بجائے انڈین پینل کوڈ یا سی آر پی سی کے تحت درج کرنا چاہئے تھا۔ ان 93 معاملات میں 83 مسلمانوں سے تعلق رکھتے تھے۔

کانگریس کے منشور میں وعدہ کیا گیا ہے کہ اس قانون میں ضروری ترمیم کروائی جائے گی۔ بمبئی کے سابق پولیس کمشنر جولیو ریبیرو کا کہنا ہے کہ اس قانون کو پورے طور پر ختم نہیں کرنا چاہئے۔ البتہ وہ یہ مشورہ دیتے ہیں کہ ٹاڈا کا ناجائز استعمال روکنے کے لئے ضروری ہے کہ ان پولیس والوں کے خلاف کارروائی کی جائے جو بے قصور افراد کو اس قانون کے تحت گرفتار کرتے اور پریشان کرتے ہیں۔

وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں میں اسلامی بیداری کی لہر

سابق کمیونسٹ یونین کے کھنڈر پر اسلامی ریاست کی تعمیر کی کوششیں تیز تر

کسے معلوم تھا کہ ایک طویل عرصے کے روسی تسلط کے بعد سمرقند اور بخارا ایک دن اس طرح آزاد ہو جائیں گے اور وسط ایشیا میں مسلم ریاستیں اچانک کمیونسٹوں سے نجات حاصل کر لیں گی۔ لیکن تاریخ کے کرشمے بھی عجیب ہیں ابھی چند برسوں پہلے کی بات ہے جب پوری دنیا میں اسلام کی طرف واپسی کے لئے تحریکیں وجود میں آئیں، مصر میں ناصریت نے دم توڑا۔ عرب ممالک میں قومیت کا تصور فرسودہ ہوا، ترکی میں اسلامی شعار پر چلنے کا جذبہ پیدا ہوا، ادھر سوڈان، نائجیریا اور ایران سیاسی تبدیلیوں سے ہمکنار ہوئے اور ایسا محسوس ہوا گویا پوری دنیا میں اسلامی انقلاب کی ایک نئی صبح جلد طلوع ہونے والی ہے۔ البتہ مغرب و مشرق کے اخبارات، دانشور ہمیں یہ باور کراتے رہے کہ دشمن کے ہاتھ بہت مضبوط ہیں اور یہ کہ امریکہ اور روس کے تسلط سے نجات ممکن نہیں۔ لیکن ویت نام اور ایران میں امریکی شکست کے بعد امریکیوں کے ناقابل تسخیر ہونے کا طلسم ٹوٹ گیا۔ البتہ ایک سرخ آندھی تھی جو افغانستان کی سرحدوں سے بار بار ٹکرا رہی تھی اور جس نے چودہ سال کی مسلسل خوں ریز جنگ کے بعد بالآخر شکست قبول کر لی۔ افغانستان سے روس کی واپسی کے وقت تک بھی کسی کے خواب و خیال میں یہ بات نہ تھی کہ وسط ایشیا کی مسلم ریاستیں اچانک اس طرح روسی سامراج سے نجات حاصل کر لیں گی۔

انسانوں کی تاریخ کی ساری تقسیم ناکام ہو گئی، اندازے غلط نکلے اور اللہ تعالیٰ کی خصوصی نصرت اور ایک مخصوص اسکیم کے تحت دنیا کا سب سے بڑا ملک اور سب سے بڑی عسکری قوت ٹوٹ پھوٹ کر بکھر گئی۔ اور اس کے بطن سے مسلم ریاستوں کا ایک نیا جہاں پیدا ہوا۔ جن لوگوں کی حالات حاضرہ پر نظر ہے اور جو لوگ عالمی سیاست میں وسط ایشیا کی اسٹرٹیجک اہمیت سے واقف ہیں وہ اس بات کو خوب سمجھتے ہیں کہ ان ریاستوں میں اسلام کی نئی اور تازہ ہوا پہنچنے کا مطلب ہے کہ عالمی باعث حیرت ہے کہ آخر اسلام اپنے ماننے والوں کو اپنا اس قدر گرویدہ کس طرح بنالیتا ہے کہ وہ ظلم اور جبر کی تاریک راتوں میں بھی اسے اپنے سینے سے لگائے رکھتے ہیں۔

باکو کی ایک مسجد میں نماز کی ادائیگی کا منظر، اسلامی بیداری کا عملی مظاہرہ

طور پر اسلامی تحریکوں کی کامیابی کا مرحلہ اب خاصہ قریب آچکا ہے۔

کسے نہیں معلوم کہ سمرقند اور بخارا کو اسلامی تاریخ میں بغداد کے بعد دوسری حیثیت حاصل رہی ہے جہاں امام بخاری کا ویران مدرسہ اور اسکی عمارتیں آج بھی اپنے عظیم ماضی کی داستان سناتی محسوس ہوتی ہیں۔ روسی دانشور اور مغربی اقوام حیرت زدہ ہیں کہ کمیونزم کے عقوبت خانے میں ایک طویل عرصہ گذارنے کے بعد بھی روسی مسلمان اپنے آپ کو مسلمان بنائے رکھنے میں کیسے کامیاب ہوئے۔ مغرب کے لئے یہ بات بھی

گو کہ سوویت یونین کے زوال کو امریکہ نے بڑی دلچسپی سے دیکھا تھا اور اب مغرب کے دانشور اس وقت اپنی فتح کا جشن منا رہے تھے۔ انہیں کمیونزم کی موت پر بڑی خوشی تھی لیکن سوویت یونین کے ملبے سے اچانک اتنی ساری مسلم جمہوریاؤں کے وجود میں آجانے سے ایک بار پھر خوف کا سایہ ان کے سروں پر منڈلانے لگا ہے۔ دوسری طرف پاکستان، ایران اور ترکی مسلسل اس بات کی کوشش کرتے رہے ہیں کہ نوآزاد مسلم ریاستوں سے اس کے بہتر تعلقات ہوں تاکہ وہ ان ساری ریاستوں کے تعاون سے ایک بڑا مسلم بلاک تشکیل دے سکیں۔ ادھر سعودی عرب خاص طور پر مبلغین کے وفود اور متمول عرب تاجروں کو ان مسلم جمہوریاؤں میں بھیجتا رہا ہے تاکہ مدت سے جدا اپنے مسلم بھائیوں کی خیر خبر لی جائے اور ان کے عقائد سے کمیونزم کی گرد صاف کی جاسکے۔ خود ان جمہوریاؤں کے اندر آزادی کے بعد جس عق رفتاری سے مسجدیں آباد ہوئی ہیں اور نئے نئے اسلامک سینٹر وجود میں آئے ہیں اس سے بھی اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ ان جمہوریاؤں کے مسلمان مدت سے اسلام اور اسلامی سوسائٹی کے لئے تڑپتے رہے ہیں۔ لہٰذا وہ جلد از جلد اپنے ماضی کی تلافی کرنا چاہتے ہیں۔ البتہ مغربی دانشور اسلام کی طرف واپسی کے رجحان کو قومی تحریک کے لباس میں پیش کرتے رہے ہیں اور شاید اسی لئے وسط ایشیا میں اسلامی بیداری کی صحیح تصویر اب تک دنیا کے سامنے نہیں آپائی ہے۔

مغرب خوف زدہ ہے اور امریکہ کو اس بات سے شدید خطرہ ہے کہ اگر پاکستان اور افغانستان کی اسلامی تحریکوں نے وسط ایشیا میں اپنے اثرات پیدا کرلئے اور ان ملکوں پر مشتمل ایک مسلم بلاک وجود میں آگیا تو اس خطے میں قوت کا میزانیہ یکسر بدل جائے گا اور بہت جلد اس کے اثرات بین الاقوامی سطح پر مرتب ہوں گے۔ اسلامی تحریکوں کی حوصلہ افزائی ہوگی۔ اور آج جن لوگوں کا راستہ بزور قوت الجیریا میں روکا گیا ہے کل یہ سب کچھ ممکن ہو جائیگا۔ پھر کئی مسلم ممالک میں اسلامی انقلابی حوصلہ پاکر مغرب کی غلام حکومتوں کا تختہ الٹ دیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ چیچنیا میں انسانی حقوق کی شدید پامالی کے باوجود امریکہ خاموش ہے۔ اسے کسی قیمت پر یہ منظور نہیں کہ وسط ایشیا کی ریاستیں آزادانہ طور پر اپنے مسلم ہمسایوں سے گہرے تعلق قائم کریں۔

دوسری طرف خود بھی کبھی ریاست روس اپنی ہمسایہ مسلم ریاستوں میں اسلامی تحریک کے فروغ

باقی ص — پر

وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں میں روسی اور غیر روسی آبادی (فیصد میں)

ریاست	روسی	غیر روسی
ازبکستان	11%	ازبک 69%
		تاتار 4%
		کازخ 4%
		تاجک 4%
قزاقستان	41%	قزاخ 36%
		یوکرینی 6%
جارجیا	7%	جارجین 69%
		آرمینین 9%
		آذربائیجانی 5%
		اسیتین 2%
		اب خازیا 10%
آذربائیجان	8%	آذربائیجانی 78%
		آرمینی 8%
		تاجیکین 4.5%
کرغستان	26%	کرغیز 48%
		ازبک 12%
تاجکستان	8%	تاجک 62%
		ازبک 22%
		کرغیز 1%
		یوکرینی 0.8%
ترکمانستان	9%	ترک 72%
		ازبک 9%
		یوکرینی 1%

اسلامی بیداری کو کچلنے کے لیے بوسنیا سے چیچنیا اور تاجکستان سے ازبکستان تک

اسلام دشمن قوتوں کی کارفرمائی

آج سے برسوں قبل یہ تصور محال تھا کہ دنیا کی دوسری سب سے بڑی طاقت سوویت روس کے پرخچے اڑ جائیں گے اور کفر و الحاد کے ظلمت کدے میں اسلام کی نئی روشنی دنیا کی نگاہوں کو خیرہ کردیگی۔ کیونکہ اپنی طاقت کے نشے میں بدمست کمیونسٹ حکومت روحانیت سے عاری ایک ایسے نظام کو اپنا خدا سمجھ بیٹھی تھی جس کی معراج صرف اور صرف مادیت پرستی تھی، لیکن مادہ جو خود تغیر پذیر ہے بھلا کیونکر اس نظام کو استحکام عطا کرسکتا تھا۔ بالآخر اپنے منطقی انجام کو پہنچ کر پاش پاش ہو گیا۔ اور وحدانیت اور روحانیت کی وہ لو جو استبدادی نظام کی آہنی سلاخوں کے پیچھے محصور و مقید کردی گئی تھی اب ان آہنی سلاخوں کو پگھلا کر اپنی گرمی سے ایک نئی دنیا کی تعمیر کرتی نظر آرہی ہے۔ جس کی واضح مثال ایشیا کی وہ آزاد مسلم مملکتیں ہیں جہاں ان دنوں اسلامی بیداری کی لہر نئی تاریخ کی تشکیل کا منظر نامہ ترتیب دینے میں مصروف ہے۔

تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ وسط ایشیا کی حیثیت ایک ایسے خطے کی رہی ہے جہاں کبھی اسلام اور نامورانِ اسلام کا بول بالا تھا اور جہاں کے مسلم حکمرانوں نے دنیا کے وسیع تر خطے پر اپنی فتح و کامرانی کے پرچم لہرائے تھے۔ اور جہاں سے علم و دانش اور فن و معرفت اور رشد و ہدایت کی روشنی نے دنیا کے ایک وسیع تر خطے کو تابناک اور یادگار بنایا تھا جس کی باقیات کے نمونے آج بھی اہل نظر کو قائل کرلیتے ہیں۔ ایشیا کا وہ خطہ پھر تاریخ کی نئی کروٹ کے ساتھ ایک نئے عہد کی تعمیر کی سمت میں گامزن ہے۔ کیونکہ سوویت روس کے زوال کے بعد وسط ایشیا کے اس خطے میں متعدد آزاد اسلامی مملکتیں معرض وجود میں آگئی ہیں اور ان آزاد مملکتوں میں اسلام کے شیدائیوں اور جانبازوں کے تازہ عزائم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ وہ دن دور

نہیں جب یہ نئی آزاد اسلامی مملکتیں دنیا میں اسلامی بیداری کی ایک نئی تاریخ مرتب کریں گی۔ یہی سبب ہے کہ وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں میں اٹھ رہی اسلامی بیداری کی اس نئی لہر سے نہ صرف روس بلکہ مغرب بھی حد درجہ خائف ہے۔ کیونکہ کمیونزم کے خاتمے کے بعد مغرب کے اہل فکر اپنی جس عالمی بالادستی کے خواب کو شرمندہ تعبیر ہوتا دیکھ رہے تھے۔ انہیں اب اپنا خواب منتشر ہوتا نظر آرہا ہے۔ کیونکہ انہیں آج پوری دنیا میں پھر سے اسلام کے احیاء کا نمایاں خطرہ دکھائی دے رہا ہے۔

اسلامی بیداری کی لہر سے مغرب اور روس کے خوف و ہراس کا سبب بالکل واضح ہے کیونکہ مغرب سے لے کر مشرق تک اسلامی سرفروشوں کی جد و جہد اور ان کے عزائم اسلام دشمنوں کے حوصلے پست کرنے کے لئے کافی ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ وسط ایشیا کی مسلم مملکتوں میں اس وقت جس قسم کی فیصلہ کن جنگ جاری ہے اور اسلام کی سربلندی اور سرفروشی کی قوتیں جس طرح سرگرم ہیں اس کے اثرات سے روس کے دوسرے خطوں کا متاثر ہونا ناگزیر ہے، علاوہ ازیں یہ اثرات صرف روس تک ہی محدود نہ ہوں گے بلکہ عالمی سطح پر ایک ایسی صورت حال پیدا کردینگے جس سے مغرب کی بالادستی کو برقرار رکھ پانا دشوار ہو جائے گا۔ یہی سبب ہے کہ خواہ یورپ ہو یا امریکہ یا پھر روس سبھوں میں اس امر پر باہم اتفاق ہے کہ اسلام کی اٹھتی لہر کو کچلنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی جائے اور نہ ہی یورپ یا روس کے بطن میں آزاد مسلم مملکتوں کے وجود کو کسی قیمت پر ممکنات سے ہمکنار ہونے دیا جائے۔ لہٰذا بوسنیا سے لے کر چیچنیا تک اور

باقی ص 9 پر

مقبوضہ علاقوں میں یہودی کالونیاں یا دہشت گردی کا سرٹیفکٹ

یونسکو کے زیر اہتمام مشرق وسطی مذاکرات کے دوران یاسر عرفات کی طرف سے اسرائیل پر معاہدہ اوسلو کی خلاف ورزی کا الزام اسرائیلی وزیر خارجہ کے رویہ کو فوری طور پر نرم کرنے میں ناکام رہا ہے۔ پیریز کے اس دعوے کے باوجود کہ دہشت گردانہ حملوں پر قابو پانے کے لئے فلسطینی حلقوں کی جانب سے پوری کوشش کی جارہی ہے ان کی مختصر ملاقات امن گفتگو میں کسی پیش رفت کا وسیلہ نہ بن سکی۔ اس کا مضحکہ خیز پہلو یہ ہے کہ یاسر عرفات کی برافروختگی نے خود ان کے عوام کے درمیان ان کی گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھال کر معاہدہ اوسلو کو بھی کسی حد تک سہارا دیا ہے۔ ایرز چیک پوسٹ پر 16 جنوری کو وزیر اعظم رابن سے ان کی ملاقات نے قیام امن کے سلسلے میں کم از کم امید کی ایک کرن دکھائی دی تھی۔

لیکن اس ملاقات کا نتیجہ صرف یہ نکلا کہ جنوری میں ورک لائسنس کے حامل فلسطینیوں پر غزہ اسرائیل سرحد پار کرنے پر عائد کردہ پابندیوں کو جزوی طور پر اٹھا لیا گیا۔ تقریباً پچاس ہزار فلسطینی

اسرائیل اس حقیقت سے خوب واقف ہے کہ عرفات ہی وہ حربہ ہیں جس کے سہارے وہ فلسطینیوں کے ساتھ کسی معاملہ بندی میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ فلسطینی نظم و نسق کی باگ ڈور کو عرفات کے ہاتھ میں باقی رکھنے کی ہی امید میں اسرائیل نے گذشتہ میٹنگ میں پی ایل او کے اس مطالبہ پر صاد کیا کہ پی ایس اے کا سربراہ آٹونومی کونسل کے انتخاب کے ساتھ ساتھ ہی منتخب ہونا چاہئے

ایک ماہ تک اپنی روزی روٹی سے محروم رہے اور اب یہ سلسلہ دوبارہ شروع ہوا تو غزہ سے دس ہزار اور مغربی کنارے سے پانچ ہزار فلسطینی ہی کام کرنے کی غرض سے اسرائیلی حدود کے اندر پہنچ سکے

گئیں۔ فلسطینی سیلف رول اتھارٹی کو پہلے دہشت گردی کو کچلنے کا تاوان ادا کرنا پڑا۔ اسلامی جہاد کے نائب صدر اشاقی جیسے لوگوں کی گرفتاری پر عدالتوں میں بحثیں ہوئی ہیں۔ بغیر اپیل کے قانون شکن افراد کے خلاف فوری عدالتی کارروائی کی غرض سے پانچ ججوں پر مشتمل فوجی عدالت کی تشکیل پر بھی غزہ کے انسانی حقوق کے مرکز کی جانب سے کڑی نکتہ چینی کی گئی ہے۔ 21 جنوری کی خودکش بمباری نے اسرائیل کے ایجنڈے پر حفاظتی اقدامات کو اولین اہمیت دیدی اور اس کے قیام امن کے تمام اقدامات تعطل کا شکار ہوگئے۔ امریکی اشارے پر اسباب کو جانے بغیر عرفات سے اسلامی دہشت پر قابو پانے کا اسرائیلی مطالبہ ناٹو اور مغربی یورپی اتحاد کے حالیہ اجتماع میں کئے گئے فیصلے سے مترشح اس نئے مغربی احساس سے متضاد ہے جس میں پورے خطے میں کہیں بھی دہشت گردوں سے گفت و شنید کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔ فرانسیسی وزیر اعظم بلادور کے قول کے مطابق الجیریا سے لے کر خلیج تک مغربی ایشیائی امن علاقائی استقرار و سالمیت کے لئے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

واشنگٹن میں ہوئے اس معاہدہ کو کہ امریکہ، مصر اردن اور پی ایل او متحد ہو کر دہشت گردی کا قلع قمع کریں بظاہر اسرائیلی ایجنسیوں سے پی ایس اے کے معلوماتی رابطہ اور ان کی فراہم کردہ خفیہ رپورٹوں پر عمل درآمد کا متقاضی ہے۔ کم ترین درجے کی اسرائیلی مراعات کے عوض عرفات اور پی ایس اے کی جانب سے کئے گئے اس اقدام نے فلسطینیوں کے جذبات کو بھڑکا دیا۔ منصفانہ امن کے قیام کی امید کو دھندلاتے ہوئے دیکھ کر اعتدال پسند فلسطینی عرفات اسرائیل معاہدہ پر انگلیاں اٹھانے لگے۔ اور دہشت گردوں کے ہاتھوں مغربی ایشیائی امن کے مقصد کے سبوتاژ کا اندیشہ اور بھی بڑھ گیا۔ ایسی حالت میں عرفات کو اپنا اعتماد بحال کرنے کی اشد ضرورت تھی۔

اسرائیل اس حقیقت سے خوب واقف ہے کہ عرفات ہی وہ حربہ ہیں جس کے سہارے وہ فلسطینیوں کے ساتھ کسی معاملہ بندی میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ فلسطینی نظم و نسق کی باگ ڈور کو عرفات کے ہاتھ میں باقی رکھنے کی ہی امید میں اسرائیل نے گذشتہ میٹنگ میں پی ایل او کے اس مطالبہ پر صاد کیا کہ پی ایس اے کا سربراہ آٹونومی کونسل کے انتخاب کے ساتھ ساتھ ہی منتخب ہونا چاہئے نہ کہ کونسل کے ذریعہ جیسا کہ ابتدا میں اس کو ترجیح دی گئی تھی۔

انتخابات میں پہلے ہی آٹھ ماہ کی تاخیر ہو چکی ہے اور یہ اسی وقت ہو سکتے ہیں جب اسرائیلی فوجیوں کو فلسطینی آبادی سے باہر تعینات کر دیا جائے۔ یہودی کالونیوں کی حفاظت کا غم اسرائیلی فوجیوں کو فلسطینی آبادی سے ہٹانے میں مانع ہے۔ بیت اور جنین انتظامی امور کو پی ایس اے نے اسی سبب سے اپنے ہاتھ میں نہیں لیا کہ اسرائیلی فوجیں وہاں سے باہر نہیں آرہی ہیں۔

عرفات اسرائیل پر الزام عائد کرتے ہیں کہ اسرائیل، فلسطین معاہدہ کے اگلے مرحلے یعنی مکمل خود مختاری کے مقصد کو سبوتاژ کرنے کی غرض سے اسرائیلی فوجیوں کو ہٹانے میں قصداً تاخیر کر رہا ہے۔ اوسلو میں عرفات نے خود اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ وہ یہودی کالونیوں اور مشرقی یروشلم کے مستقبل جیسے پیچیدہ مسائل کا حل خود مختاری حاصل ہونے اور اس کے نفاذ کے دو سال بعد ڈھونڈھیں

باقی صفحہ ۱۲ پر

کرغزستان سیاسی ہنگامہ آرائی سے دوچار

کرغزستان چالیس لاکھ آبادی پر مشتمل ایک چھوٹا سا مسلم ملک ہے جو سوویت یونین کے انتشار کے بعد معرض وجود میں آیا۔ آزادی کے بعد سے اب تک وہاں وہی لوگ حکمراں رہے ہیں جو پہلے کمیونسٹ پارٹی سے وابستہ تھے۔ صرف ان کے جھنڈے بدل گئے ہیں۔

پچھلے دنوں کرغزستان کے صدر عسکر آقائیف نے اس 350 رکنی پارلیامنٹ کو تحلیل کر دیا تھا جو کمیونسٹ دور سے چلی آرہی تھی۔ صدر کا الزام تھا کہ پارلیامنٹ صرف ہنگامہ کر کے سرکاری پیسہ ضائع کرتی تھی۔ اس کے ساتھ بعض صدارتی فرمان جاری کر کے انہوں نے نہ صرف اپنے اختیارات بڑھا لئے بلکہ نئی پارلیامنٹ کا ڈھانچہ بھی بدل دیا۔ اب اس پارلیمنٹ کے دو زیریں و بالا ایوان ہوں گے۔ اس کے ساتھ کسی بھی شخص کو ممبر بننے کے لئے 50 فیصد ووٹ حاصل کرنا ضروری ہوگا۔

گذشتہ 5 فروری کو وہاں پہلے دور کے انتخابات ہوئے جس میں صرف 13 افراد ہی منتخب ہو سکے کیوں کہ بقیہ لوگ پچاس فیصد ووٹ حاصل نہیں کر سکے۔ دوسرے مرحلے کے انتخابات 19 فروری کو بخیر و خوبی انجام پاگئے۔

دراصل کل 100 افراد اپنی قسمت آزمائی کے لئے میدان میں اتر پڑے تھے۔ کرغزستان میں کل 12 منظور شدہ سیاسی جماعتیں ہیں لیکن ہر پارٹی نے ہر سیٹ پر اپنے امیدوار نہیں کھڑے کئے تھے۔ ایک ہزار میں سے اچھے خاصے آزاد امیدوار تھے اور ان کی کامیابی کا تناسب بھی زیادہ رہا۔ پہلے دور کے منتخب تیرہ امیدواروں میں سے نو آزاد تھے جبکہ صرف چار سیاسی جماعتوں سے وابستہ تھے۔ واضح رہے کہ ایک ہزار میں کم از کم دو سو امیدوار سیاسی جماعتوں کے نامزد تھے بقیہ یا تو آزاد تھے یا مختلف سماجی تنظیموں کے نامزد کردہ۔ ان ساری جماعتوں میں کمیونسٹ پارٹی سب سے زیادہ منظم ہے مگر پہلے دور میں صرف ایک ہی امیدوار کامیاب ہوا تھا۔ دوسرے مرحلے کے انتخابات کے نتائج ملی ٹائمز کو تا دم تحریر دستیاب نہیں ہوئے تھے۔

ان انتخابات کے دوران یہ عجیب بات دیکھنے کو ملی کہ عوام میں عوامی نمائندگی اور جمہوریت کے تئیں کوئی خاص جوش نہیں تھا۔ عوامی اور نمائندہ حکومت کی بہ نسبت وہ اپنی قسمت ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں دینا پسند کریں گے جو ان کے مسائل حل کر سکتا ہو۔ عسکر آقائیف سر دست اپنے عوام میں کافی حد تک مقبول ہیں۔ وہ دراصل ایک ہوشیار، زیرک اور منجھے ہوئے سیاستداں ہیں۔ انہیں اندازہ ہے کہ عوام کی اچھی خاصی تعداد ان پر اعتماد کرتی ہے اور نمائندہ حکومت

عسکر آقائیف سر دست اپنے عوام میں کافی حد تک مقبول ہیں۔ وہ دراصل ایک ہوشیار، زیرک اور منجھے ہوئے سیاستداں ہیں۔ انہیں اندازہ ہے کہ عوام کی اچھی خاصی تعداد ان پر اعتماد کرتی ہے اور نمائندہ حکومت سے متعلق کوئی بہت زیادہ پرجوش نہیں ہے۔

سے متعلق کوئی بہت زیادہ پرجوش نہیں ہے۔ چنانچہ اس کا فائدہ اٹھا کر پہلے تو انہوں نے پرانی 350 رکنی پارلیامنٹ کو تحلیل کر دیا۔ پھر اس کے بعد ممبروں کی تعداد گھٹا کر صرف 105 کر دی۔ ایک ریفرنڈم کے ذریعہ ان دستوری ترمیمات کی عوام کے ذریعے تصدیق بھی کرائی گئی ہے۔

صدر عسکر نے بعض دوسری ترمیمات بھی کی ہیں جن میں سے بعض کی وجہ سے ان کے اختیارات میں کافی اضافہ ہو گیا ہے۔ ان ترمیمات کی نئی پارلیمنٹ میں بحث کے بعد منظوری دی جائے گی۔ دیکھنا ہے کہ نئی پارلیامنٹ کس حد تک صدر عسکر کی خواہشوں کا احترام کرتی ہے۔ پرانی پارلیمنٹ کے ممبران تو انہیں اکثر ہینگ کرتے رہتے تھے۔

عسکر آقائیف کے سامنے اس وقت دو بڑے مسائل ہیں۔ اول زمین کو نجی ملکیت میں دینا اور دوسرے روسی زبان کو کرغز کے ساتھ دوسری سرکاری زبان قرار دینا۔ پچھلی پارلیامنٹ ان دونوں ہی تجویزوں کی مخالف تھی اب دیکھئے نئی پارلیامنٹ کیا کرتی ہے۔ کمیونزم کے زوال کے بعد زمین کو نجی ملکیت میں دینے کی بات بالکل فطری ہے۔ روسی زبان کو سرکاری زبان قرار دینے کی بات عسکر اس لئے کرتے ہیں تاکہ ان روسیوں کو ملک چھوڑنے سے روکا جا سکے جو کرغزستان کی فیکٹریوں اور انڈسٹری کی ریڑھ کی ہڈی ہیں۔ دراصل سوویت یونین کی پالیسی ہمیشہ روسیوں کو ہی آگے بڑھانے کی تھی۔ دوسری طرف مسلمانوں کو دوسرے درجے کا شہری بنا کر رکھا گیا تھا۔ ان میں سے کم ہی کو فنی مہارت کی تعلیم دی گئی تھی۔ چنانچہ انڈسٹری میں روسی کارکنوں کی بھرمار ہے اور اگر وہ چھوڑ کر روس چلے جائیں تو کرغزستان کی ساری صنعتی زندگی ٹھپ پڑ جائے گی۔

چونکہ صدر عسکر نجی سرمایہ کاری کے بھی حامی ہیں اس لئے مغربی ممالک کے کنٹرول والے معاشی ادارے مثلاً انٹرنیشنل مونیٹری فنڈ اور ورلڈ بینک وغیرہ ان سے کافی خوش ہیں۔ مگر جو لوگ جمہوریت میں یقین رکھتے ہیں وہ اس بات سے نالاں ہیں کہ صدر عسکر بتدریج اپنے اختیارات بڑھا کر آمریت کی طرف قدم بڑھاتے جا رہے ہیں۔

مسلمانانِ بنارس کے صبر وضبط کا بے مثال مظاہرہ

مسجد گیان واپی کو بابری مسجد بنانے کی سازش ناکام

حکومت کی سختی، انتظامیہ کی سوجھ بوجھ اور مسلمانان بنارس کی قوت برداشت کے بے مثال مظاہرے کے سبب وشو ہندو پریشد اور بجرنگ دل کی خوفناک سازشیں ناکام ہو گئیں۔ گیان واپی مسجد پر گھر آئے خطرات کے بادل ٹل گئے اور بنارس لہولہان ہونے سے بچ گیا۔ حالانکہ شرپسندوں کی ٹولی نے چنگاری کو شعلہ بنانے اور اس میں فرقہ وارانہ منافرت کا پٹرول ڈال کر بنارس کے امن وامان کو تہہ وبالا اور گیان واپی مسجد کو مندر میں تبدیل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی وشو ہندو پریشد کے جوائنٹ جنرل سکریٹری آچاریہ گری راج کشور، اشوک سنگھل، شریش چندر دکشیت، اوما بھارتی اور دوسرے لیڈروں نے فرقہ پرست عناصر کے جذبات کو برانگیختہ کرنے اور بنارس میں بھی اجودھیا کی تاریخ دہرا کر گیان واپی مسجد کو بابری مسجد کی مانند مسمار کرنے کے لئے اپنی شعلہ بیانیوں سے ماحول کو گرمانے کے پورے جتن کئے۔ جس کے نتیجے میں کچھ شرپسند عناصر نے مسجد کی جانب مٹی کے گھڑے اور دوسرے سامان پھینک کر اشتعال انگیزی پیدا کی کچھ نے مسجد پر پانی اور دوسری اشیاء بھی اچھالیں اور کچھ نے مسجد کے اطراف میں لگائی گئی سلاخوں کی باڑھ اور ریپڈ ایکشن فورس کی مسلح قطار کو توڑنے کی بھی کوشش کی۔ لیکن موقع پر موجود فورس اور انتظامیہ نے ان شرانگیزیوں پر قابو پالیا اور کوئی بڑا حادثہ رونما نہیں ہو سکا۔

وشو ہندو پریشد کا دعویٰ ہے کہ اس "جلا بھیشک" پروگرام میں دو لاکھ ہندوؤں نے شرکت کی جب کہ ضلع مجسٹریٹ اور مقامی انتظامیہ کا کہنا ہے کہ یہ تعداد پچاس ہزار سے کچھ زائد تھی۔ اور وہ بھی ہندو پریشد کے کچھ ورکروں کے علاوہ زیادہ تر وہ لوگ تھے جو ہر سال اس موقع پر وہاں پہنچ کر کاشی وشوناتھ مندر میں جو کہ گیان واپی مسجد سے متصل ہے پوجا پاٹھ کرتے ہیں۔ پریشد کی کال کو لوگوں نے نظر انداز کیا اور اس موقع پر بنارس میں پہنچنے سے احتراض کیا۔ خود بنارس کے ہندوؤں نے اس میں شرکت نہیں کی کیونکہ انہیں اس کا احساس ہے کہ وشو ہندو پریشد اور بجرنگ دل کی کال کا مقصد پوجا نہیں بلکہ دھرم کے نام پر فساد برپا کرانا ہے اور بنارس کے عوام اپنے پرامن شب وروز کو قتل وخونریزی اور کرفیو کی اذیتوں میں بدلنا نہیں چاہتے۔ اس لئے ان کی جانب سے کسی گرم جوشی کا مظاہرہ نہیں کیا گیا۔ مسلمانوں کی جانب سے بھی حالات کو معمول کے مطابق بنائے رکھنے کی بھرپور اور کامیاب کوشش کی گئی اطلاعات کے مطابق مسجد کی انجمن انتظامیہ نے مسجد میں نماز ادا کرنے کے لئے زیادہ تعداد میں مسلمانوں کو آنے سے روکا اور لاؤڈ اسپیکر پر اذان دینے سے بھی گریز کیا۔

مذکورہ پروگرام 27 فروری کو مہا شیو راتری کے موقع پر منعقد کیا گیا تھا۔ چونکہ شیو راتری ہندوؤں کا ایک بڑا تہوار ہے اور اس دن بنارس کے ہندو اسی طرح کاشی وشوناتھ مندر میں پوجا کرتے ہیں جس طرح دوسرے مقامات کے ہندو اپنے اپنے مندروں میں پوجا کرتے ہیں۔ لیکن اس بار اس موقع کو دھماکہ خیز حالات میں بدلنے کی پریشد نے کوشش کی تھی اور شیو راتری پر گیان واپی مسجد جسے وہ کاشی وشوناتھ کا مندر کہتے ہیں کو "آزاد" کرانے کا عہد لینے کا پروگرام بنایا تھا۔ بی جے پی جو ایسے مواقع سے سیاسی فائدہ اٹھاتی ہے اس کو اندرونی طور پر سپورٹ کر رہی ہے لیکن بظاہر وہ یہی کہہ رہی ہے کہ وشو ہندو پریشد کی اس تحریک کو اس کی صرف اخلاقی حمایت حاصل ہے۔ ادھر بی جے پی کے ایک سینئر لیڈر اٹل بہاری واجپئی نے وشو ہندو پریشد کی اس کارروائی کی مذمت کی ہے اور کہا ہے کہ آپ تاریخ کو بدل نہیں سکتے۔ اور پھر گیان واپی کا معاملہ بابری مسجد سے الگ ہے۔ اس میں باقاعدہ نماز ہوتی ہے اور ہزاروں لوگ روزانہ اس میں نماز پڑھتے ہیں ایسی صورت میں آپ مسجد کو ایک پوجا گھر میں کیسے بدل سکتے ہیں۔

گیان واپی مسجد پریشد کے جنونیوں کے نرغے میں

حکومت نے اس موقع پر کسی بھی دھماکہ خیز صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے پوری تیاری کر رکھی تھی اور ریپڈ ایکشن فورس کے جوانوں نے گیان واپی مسجد کے اطراف میں محاصرہ کر رکھا تھا تاکہ کسی بھی قسم کی اشتعال انگیزی سے نمٹنے میں آسانی ہو اور شرپسند عناصر مسجد کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں۔

وزیر اعلیٰ ملائم سنگھ نے بھی عوامی مقامات سے کسی بھی قسم کی دھمکی دینے کے بجائے انتظامی سطح پر پوری توجہ دی اور بنارس کی پولیس انتظامیہ جو پہلے بہت پژمردہ تھی اس کا حوصلہ بلند کرنے اور اس کی مدد کے لئے ریاست کے داخلہ سکریٹری اور ڈائرکٹر جنرل آف پولیس نے بھی بنارس کا دورہ کیا اور گیان واپی مسجد میں کافی دیر تک ٹھہر کر صورتحال کا جائزہ لیا اور موقع پر مقامی انتظامیہ کی مدد کرنے کے لئے ریپڈ ایکشن فورس کی کمپنیاں بھی بھیجی گئیں۔ اضافی فورسز اس لئے بھی بھیجی گئی تھیں کہ ضلع انتظامیہ کا خیال تھا کہ وہاں پر تعینات پی اے سی کے جوان وافر تعداد میں نہیں ہیں اس لئے گیان واپی مسجد کے تحفظ کا کام بخیر وخوبی انجام دینے کے لئے اضافی فورس ضروری ہے۔ انتہائی باوثوق ذرائع کے مطابق ضلع انتظامیہ نے پی اے سی جوانوں کی کمی کا بہانہ بنا کر اضافی مدد اس لئے طلب کی تھی کیونکہ پی اے سی پر مسلمانوں کا اعتماد بہت پہلے ختم ہو چکا ہے۔ فسادات میں پی اے سی کا رول انتہائی گھناؤنا ہوتا ہے اور اس کی وردی پر مسلمانوں کے خون کی داستانیں آسانی سے پڑھی جا سکتی ہیں۔ اسی لئے ضلع انتظامیہ نے پیرا ملٹری فورس کا مطالبہ کیا تاکہ پی اے سی پر تکیہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ اگر پی اے سی نے اپنی مسلم دشمن ذہنیت کا مظاہرہ کر دیا تو بنارس اس میں بھی اجودھیا کی تاریخ کے دوہرانے کا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ شاید اسی لئے ریاستی حکومت نے ضلع انتظامیہ کا مطالبہ فوری طور پر مان لیا اور وہاں اضافی فورس بھیج دی کیونکہ یوپی حکومت کسی بھی قیمت پر بنارس میں وہ نہیں ہونے دینا چاہتی جو اجودھیا میں ہو چکا ہے۔ یوں بھی ملائم سنگھ کی امیج فرقہ پرستوں کے سب سے بڑے دشمن کی ہے اور لوگوں کا یہ سوچنا بجا ہے کہ ملائم سنگھ اپنے دور میں ایسی کوئی حرکت نہیں ہونے دیں گے جو ان کے صاف شفاف کیریئر پر بدنما داغ کی حیثیت اختیار کر لے۔ تاریخ بھی بتاتی ہے کہ ملائم نے اپنے دور میں کارسیوکوں پر فائرنگ کروا کے بابری مسجد کو شہید ہونے سے بچا لیا تھا۔ (یہ بات الگ ہے کہ بعد میں شرپسندوں نے بابری مسجد کو مسمار کر دیا)

لیکن یہ بھی نہیں سمجھنا چاہئے کہ بنارس سے خطرہ ٹل گیا ہے اور شرپسندوں نے خاموشی اختیار کر لی ہے وہ تاک میں بیٹھے ہوتے ہیں اور موقع ملتے ہی گیان واپی پر جھپٹ پڑنے کی کوشش کریں گے۔ اگر حکومت اور انتظامیہ نے ذرا بھی غفلت دکھائی تو یہ مسلم دشمن عناصر گیان واپی مسجد کو بابری مسجد بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے۔

شراب بندی کی تحریک یعنی ایک فائدہ بخش انتخابی ایشو

آندھرا پردیش میں شراب بندی کے بعد اب ہریانہ میں بھی اسی قسم کی گفتگو ہونے لگی ہے اور ہریانہ اپوزیشن کے لیڈر بنسی لال کا کہنا ہے کہ اگر وہ اگلے الیکشن میں برسر اقتدار آئے تو مکمل طور پر شراب بندی لاگو کر دیں گے۔ لیکن موجودہ وزیر اعلیٰ بھجن لال کہتے ہیں کہ میں لاٹری تو بند کر سکتا ہوں مگر شراب بندی لاگو نہیں کر سکتا۔ دوسری طرف سوامی اگنی ویش نے بھی اعلان کیا ہے کہ وہ جلد ہی ہریانہ کی راجدھانی سے پھر شراب بندی لاگو کرنے کی مہم شروع کرنے والے ہیں وہ اس مہم کو ملک گیر پیمانے پر لے جانا اور اسے سماجی انصاف سے جوڑنا چاہتے ہیں ریاست کی دوسری سیاسی پارٹیاں بھی اس ایشو کے ارد گرد منڈلا رہی ہیں جن سے یہ تاثر ملتا ہے کہ اگلے الیکشن میں یہ ضرور ایک اہم انتخابی ایشو بنے گا۔ قابل غور ہے کہ گذشتہ سالوں میں ہریانہ میں شراب حادثوں میں سو سے زائد افراد کی موت واقع ہو چکی ہے اور سینکڑوں لوگ معذور ہو گئے ہیں۔

وزیر اعلیٰ بھجن لال

شراب بندی کا نعرہ ہریانہ کے لئے نیا نہیں ہے۔ تقریباً دو سال قبل سوامی اگنی ویش اور ان کے ہم خیال افراد نے یہ تحریک شروع کی تھی۔ مہاراشٹر، آندھرا پردیش اور مدھیہ پردیش کے چھتیس گڑھ علاقے سے تقریباً تین ہزار خواتین اپنا گھر بار چھوڑ کر اس میں شرکت کرنے پہنچی تھیں، اس وقت خواتین نے شراب کے ٹھیکوں کے سامنے گھاگھرے، دوپٹے، چوڑیاں اور جوتے چپل وغیرہ لٹکا کر علامتی احتجاج درج کرایا تھا۔ جس کے نتیجے میں ٹھیکوں کی نیلامی بری طرح متاثر ہوئی تھی اور ریاست کے وزیر مالیات کو یہ اعتراف کرنا پڑا تھا کہ شراب بندی تحریک کی وجہ سے 52 . 46 کروڑ روپے کا نقصان ریاستی حکومت کو برداشت کرنا پڑا۔

لیکن اس تحریک کو حکومت نے کچل کر رکھ دیا تھا ابھی وہ تحریک اپنے پیروں پر کھڑی بھی نہ ہو سکی تھی کہ روہتک میں منعقد ایک عوامی جلسے کے دوران تحریک سے جڑے لوگوں پر اس قدر سرکاری مظالم توڑے گئے کہ پھر شراب بندی کا نعرہ آگے نہیں بڑھ سکا۔ پولیس کے لاٹھی ڈنڈوں اور بوٹوں سے لوگ زخمی ہوئے اور 32 اہم لیڈروں کو جیل میں ٹھونس دیا گیا۔ انہیں جسٹس کرشنا ایر کی مداخلت پر اس وقت کے چیف جسٹس وینکٹ چلیا نے چھٹی

بنسی لال

کے دن اپنی سرکاری رہائش گاہ پر شنوائی کر کے رہا کرایا۔ پولیس کو بری طرح لتاڑا گیا۔ یہ واقعہ 28 ستمبر سے دو اکتوبر 93 کے درمیان کا ہے۔

تحریک ایک بار لڑکھڑائی تو لڑکھڑا گئی۔ وہ دوبارہ نہ اٹھ سکی۔ ہریانہ کے وزیر اعلیٰ شراب بندی لاگو نہ کرنے کی اہم وجہ ریاست کی مالیات کو بتاتے ہیں۔ ان کے مطابق شراب ریاست کی مالیات اور آمدنی کا اصل ذریعہ ہے قابل ذکر ہے کہ شراب کی فروخت سے ہریانہ کو پانچ سو کروڑ روپے کی آمدنی ہوتی ہے۔ لیکن یہاں اسے بھی ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ آندھرا پردیش میں شراب سے ہونے والا فائدہ اس کا تین گنا تھا۔ پھر بھی راما راؤ نے وہاں شراب بندی نافذ کر دی (یہ الگ بات ہے کہ اب بھی وہاں خفیہ طور پر لوگ شراب نوشی کرتے ہیں اور تاڑی زیادہ سے زیادہ بکنے لگی ہے) صنعتی اعتبار

باقی صفحہ 12 پر

ایران میں روحانی پیشوائی کے لیے جنگ

ایران کے بیشتر مذہبی شیعوں کا آیت اللہ خامنئی کو مرجع تقلید ماننے سے انکار

اگرچہ قانونی طور پر آیت اللہ خامنئ کو دنیا بھر کے شیعوں کا مرجع تقلید اور روحانی پیشوا چن لیا گیا ہے مگر اب بھی بہت سے مذہبی شیعہ اسے تسلیم کرنے کو تیار نظر نہیں آتے۔ دراصل جلیل القدر شیعہ علماء کی ایک اچھی خاصی تعداد اس بات پر آمادہ نہیں ہے کہ ان کا امام ایک ایسا شخص ہوجائے جو مذہبی علوم میں دوسروں سے کہیں کم تر ہے۔ واضح رہے کہ جناب خامنئ کو آیت اللہ کا خطاب بھی امام خمینی کے انتقال کے بعد دیا گیا تھا جو اس وقت سیاسی طور پر ضروری ہوگیا تھا۔

دنیا میں ایک اندازے کے مطابق 10 کروڑ شیعہ پائے جاتے ہیں جن کا سب سے بڑا روحانی پیشوا مرجع تقلید کہلاتا ہے۔ مرجع تقلید کا انتخاب عموماً اجماع سے ہوتا ہے اور اجماع کے لئے حکومت ایران نے ادھر سیاسی دباؤ سے بھی کام لیا ہے۔ چونکہ آیت اللہ خامنئ ایران کے مذہبی پیشوا ہیں اس لئے ان کے اختیارات کا دائرہ کافی وسیع ہے۔ خامنئ ان انقلابی اور مغرب کے تئیں سخت رویہ رکھنے والے حکومتی عناصر کے بھی لیڈر ہیں جو صدر رفسنجانی کی بعض معاشی وسفارتی پالیسیوں کے مخالف ہیں۔ ایسے ماحول میں خامنئ کے مرجع تقلید کے منصب پر فائز ہونے سے فطری طور پر اختلافات نے جنم لے لیا ہے۔

آیت اللہ خامنئ خود کو آیت اللہ خمینی کا صحیح جانشین تصور کرتے ہیں لیکن ان کے مخالفین اس دعوے کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں کہ ان کے ایک مخالف نے خامنئ کے مرجع تقلید بننے کی کوشش کو یوں بیان کیا ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی Undergraduate شعبہ فزکس کا سربراہ مقرر کردیا جائے۔

ہاشمی رفسنجانی: مشکلات میں اضافہ

آیت اللہ خامنئ کی مرجع تقلید بننے کی یہ دوسری کوشش ہے۔ انہوں نے پہلی بار 93 میں اس منصب پر فائز ہونے کی سعی کی تھی جب آیت اللہ محمد رضا گل پائگانی کا انتقال ہوگیا تھا۔ لیکن سینئر اور جید علماء کی مخالفت کی وجہ سے انہوں نے خود کو اس بار انتخابی سلسلے سے علیحدہ کرلیا تھا۔ چنانچہ اس منصب پر آیت اللہ محمد علی اراکی کا انتخاب ہوگیا جو تقریباً 100 سال کے بزرگ تھے۔ ضعیف العمری کی وجہ سے گذشتہ نومبر میں ان کا بھی انتقال ہوگیا۔ اس کے فوراً بعد آیت اللہ خامنئ اور ان کے حامی اس منصب کے حصول کے لئے سرگرم عمل ہوگئے۔

لیکن اس بار بھی مخالفتوں کا دور شروع ہوگیا۔ نہ صرف ایران میں بلکہ عراق، سعودی عرب اور لبنان کے شیعہ علماء نے بھی اس کی مخالفت کی۔ مخالفتوں کو دیکھتے ہوئے خامنئ نے نئی تجویز رکھی کہ اندرون ایران کے لئے کوئی اور مرجع تقلید منتخب کرلیا جائے جب کہ ایران سے باہر رہنے والے شیعوں کی روحانی قیادت انہیں دیدی جائے۔ خامنئ کی اس تجویز نے بہتوں کو تعجب میں ڈالدیا۔ کتنے تو یہی نہیں سمجھ سکے کہ آخر اس تقسیم کی ضرورت ہی کیا ہے۔ خامنئ نے اس وقت یہ بھی کہا کہ وہ ایسا اس لئے چاہتے ہیں کہ انقلاب کے رہنما اور روحانی پیشوا کی حیثیت سے وہ جو ذمہ داریاں ادا کرتے ہیں وہ کسی مرجع تقلید کے کاموں سے زیادہ ہے۔

ان اختلافات کو دیکھ کر مغربی پریس بھی سرگرم ہوگیا۔ چنانچہ انہیں جمہوری نوعیت کے اختلاف کے بجائے ایک مذہبی وسیاسی بحران بناکر پیش کیا گیا۔ یہ تک کہا گیا کہ ایران شیعہ اور عرب شیعہ علماء کے مابین اختلافات ہوگئے ہیں۔ یہ خبر

مرحوم آیت اللہ اراکی

بھی آرہی ہے کہ شیعوں کے دو نئے فرقے وجود میں آنے والے ہیں ایک ایرانیوں کا اور دوسرا غیر ایرانیوں کا۔

مغربی پریس نے ہی ایسی خبروں کو بھی ہوا دی کہ

آیت اللہ خامنئ: متنازعہ روحانی پیشوا

نجف کے شیعہ علماء ایران علماء سے افضل ہیں اور انہیں میں سے کسی کو مرجع تقلید ہونا چاہیے۔ مگر ظاہر ہے کہ سب مغرب کی ریشہ دوانیاں ہیں جو بظاہر ناکام ہوگئی ہیں۔ اس طرح کے سنجیدہ مسئلہ پر اختلاف رائے غیر فطری نہیں ہے۔ مگر مغربی پریس ایسے مواقع کو اختلاف بین المسلمین کے لئے استعمال کرتا ہے۔ خصوصاً مغرب کی اس وقت باچھیں کھل جاتی ہیں جب انہیں ایران میں کہیں چھوٹی موٹی گڑبڑ نظر آتی ہے۔ بس پھر کیا ہے رائی کو پہاڑ بناکر پیش کرنا ان کا محبوب مشغلہ بن جاتا ہے۔

مگر اہل مغرب کے سارے اندیشے اور سازشیں اس وقت خاک میں مل گئے جب آیت اللہ خامنئ کو مرجع تقلید بنادیا گیا۔ دراصل انتخاب کا طریقہ یہ ہے کہ جید شیعہ علماء نے مرجع تقلید کے بارے میں اپنی اپنی رایوں کا اظہار کرتے ہیں ایسا ہی اس بار بھی ہوا چونکہ ایک بڑی اکثریت کی رائے آیت اللہ خامنئ کو مرجع تقلید بنانے کے حق میں تھی اس لئے انہیں باقاعدہ طور پر اس منصب پر فائز کردیا گیا۔ خامنئ کے مرجع تقلید بننے کے بعد صدر رفسنجانی کی دشواریوں میں اضافہ ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا خامنئ کے ان رہنماؤں سے قریبی تعلقات ہیں جو رفسنجانی کی معاشی پالیسیوں کی مخالفت کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ رفسنجانی معاشی محاذ پر اچھی کارکردگی کا مظاہرہ نہ کرپانے کی وجہ سے آج کل ہدف تنقید بنے ہوئے ہیں۔ بعض سینئر شیعہ علماء جیسے آیت اللہ منتظری جنہیں بعض اختلافات کے رونما ہونے کے بعد خمینی کا جانشین نہیں بننے دیا گیا تھا رفسنجانی کی پالیسیوں کے سخت مخالف ہیں۔ ایسے اور علماء بھی ہیں جو صدر کی کارکردگی سے مطمئن نہیں ہیں۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آیت اللہ خمینی کے صاحبزادے آیت اللہ احمد خمینی بھی جناب رفسنجانی کے مخالف ہوگئے ہیں۔ ابھی گذشتہ دنوں انہوں نے آیت اللہ منتظری اور دوسرے ناراض شیعہ علماء سے ملاقات کی جس سے لوگوں نے یہ اندازہ لگایا کہ وہ بھی موجودہ حکومت کی کارکردگی سے مطمئن نہیں ہیں۔

1997 میں ایران لے صدارتی انتخابات ہونے ہیں جس میں رفسنجانی قانوناً کھڑے نہیں ہوسکتے کیونکہ وہ پہلے دوبار اس منصب پر فائز رہ چکے ہیں۔ ایران کے دستور کے مطابق ایک شخص تیسری بار صدر نہیں ہوسکتا مگر یہ کہ روحانی ومذہبی اور انقلابی رہنما اپنے خصوصی اختیارات سے اس شرط کو ختم کردے۔ مگر صدر رفسنجانی کی بڑھتی ہوئی غیر مقبولیت کو دیکھتے ہوئے شاید آیت اللہ خامنئ کے لئے یہ ممکن نہ ہو کہ وہ انہیں تیسری بار صدارتی انتخاب لڑنے کی خصوصی اجازت دے دیں۔

مغربی اور وسط ایشیا میں اسلامی بیداری کو دبانے کے لیے

ترکی کو یوروپی یونین میں شامل کرنے کا فیصلہ؟

ترکی نے 1987 میں یوروپی یونین کا ممبر بننے کی درخواست دی تھی جو ابھی تک منظور نہیں ہوئی ہے۔ دراصل یونان نے ہمیشہ ترکی کی یونین میں شمولیت کی کامیاب مخالفت کی۔ اب بھی بظاہر یہ مشکل لگتا ہے کہ ترکی یونین کا پورا ممبر بن جائے گا مگر آثار بتارہے ہیں کہ بعض دوسرے میدانوں میں تعاون کی کافی گنجائش ہے۔ یونین کے معاشی مفادات اور بین الاقوامی سیاست کا بدلتا ہوا منظرنامہ خاص طور سے ترکی کے حق میں جاتا ہے۔

گذشتہ 6 فروری کو یوروپی یونین اور ترکی کے درمیان ایک "اصولی معاہدہ" طے پایا تھا جس کے مطابق قبرص جسے مغربی ممالک Cyprus کہتے ہیں، یونین میں داخلے کے لئے مذاکرات کی تاریخ پاجائے گا اس بات سے خوش ہوکر Greece یا یونان یوروپی یونین سے اپنا ویٹو اٹھالے گا جس کی وجہ سے ترکی کو یوروپی امداد نہیں مل پاتی۔ اس ویٹو کے اٹھنے کے بعد ترکی یوروپی یونین کے ساتھ ایک کسٹم یونین میں بھی شامل ہوسکتا ہے۔ اس کے بعد ترکی قبرص کے اتحاد اور اس کے یوروپی یونین میں شمولیت پر اعتراض نہیں کرے گا۔ واضح رہے کہ 21 سال پہلے ترکی نے مداخلت کرکے قبرص کا وہ حصہ اپنے قبضہ میں کرلیا تھا جہاں مسلمان اکثریت میں آباد ہیں دراصل قبرصی یونانی، جو اقتدار میں تھے، انہوں نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا جس کی وجہ سے ترکی کو مداخلت کرنی پڑی تھی۔

مگر 6 جنوری کو مذکورہ "اصولی معاہدے" پر دستخط کے صرف تین دن بعد یونانی حکومت نے

وزیراعظم تنسو سیلر

اس معاہدے کو مسترد کردیا۔ حکومت کے ایک ترجمان نے 9 فروری کو کہا کہ ہم نے مسائل کا سنجیدگی سے مطالعہ کیا اور اب یونانی حکومت کی پوزیشن انکار ونفی کی ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ انہوں نے یہ بھی کہا کہ "یہ راستے کی آخری حد نہیں ہے" بلکہ اس معاہدے کو مزید بہتر بنانے کی ابھی گنجائش باقی ہے۔ اس سے یہ امید بندھتی ہے کہ شاید معاہدے پر ابھی عمل درآمد ممکن ہوسکے۔

6 مارچ 1995 کو ترکی کی یوروپی یونین کے نمائندوں سے ملاقات طے ہے۔ ممکن ہے یونان کو دوبارہ معاہدہ پر پابندی کے لئے آمادہ کرلیا جائے۔ لیکن واضح رہے کہ مسائل بہت زیادہ سنگین ہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ بلقان کا علاقہ ہے جہاں عجیب وغریب واقعات کسی بھی وقت رونما ہوسکتے ہیں۔ ابھی 8 فروری کو ترکی کا ایک ایف۔ 14 طیارہ بھٹک کر یونان کے علاقے میں چلا گیا تھا جسے مار گرایا گیا۔ Nato کے دو ممبروں کے درمیان اس سطح کی بد اعتمادی اور عدم تعاون تنظیم کے دوسرے ممبروں کے لئے ناقابل قبول ہے۔

دوسرا مسئلہ وقت کا ہے، دونوں قبرص کے اتحاد کے لئے مذاکرات آئندہ سال ہونے والی اس بین الحکومتی کانفرنس کے چھ ماہ بعد ہوں گے جس میں یوروپی یونین کے مستقبل کے بارے میں غور وفکر ہوگا۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اتحاد کی بات ہوسکتا ہے 94 کے بعد شروع ہو جب کہ ترکی

باقی صہ ۱۲ پر

اخوان المسلمین پر سرکاری عتاب جاری رہا تو

الجزائر کی مانند مصر میں بھی خانہ جنگی چھڑ جائے گی

مصر میں اخوان المسلمین ایک بار پھر وہاں کے حکمرانوں کے عتاب کا شکار ہے۔ جب بھی مصری حکمراں اپنی نااہلی کی وجہ سے عوامی مشکلات سے دوچار ہوتے ہیں تو اپنے کرپشن اور ناکارہ پن کو چھپانے کے لئے اپنے سیاسی مخالفین خصوصاً اخوان المسلمین پر مظالم ڈھانا شروع کر دیتے ہیں۔ عام حالات میں ان کی پالیسی یہ ہوتی ہے کہ زیادہ انقلابی اور شدت پسندوں کو چھوڑ کر اپوزیشن پارٹیوں کی معتدل اکثریت کو یا تو ساتھ لے لیا جائے یا انہیں برداشت کیا جائے۔ چنانچہ اخوان المسلمین کو ایک مدت سے حسنی مبارک کی حکومت اسی پالیسی کے تحت برداشت کرتی رہی ہے جب کہ شدت پسند جماعتوں مثلاً الجماعۃ الاسلامیہ کے کارکنوں کو ختم کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا رہی ہے۔ مگر آج کل شدت پسند اور معتدل دونوں قسم کے اسلام پسند حکومت کے عتاب کا شکار ہیں حکومت نے دونوں کے مابین فرق کرنا ترک کر دیا ہے۔

اخوان المسلمین پر حکومتی عتاب نازل کرنے کی تدبیریں پچھلے ایک سال سے ہو رہی ہیں۔ تکنیکی طور پر اخوان غیر قانونی جماعت ہے مگر حکومت اس کی پر امن جمہوری سرگرمیوں کو برداشت کرتی رہی ہے۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ جزئی طور پر اسے تسلیم بھی کر لیا گیا ہے۔ کیونکہ اس کے نمائندے لیبر پارٹی کے ٹکٹ پر انتخابات میں حصہ لیتے اور جیتتے بھی ہیں۔ اور یہ بات حکومت کے علم میں ہے۔

اخوان نے پورے ملک میں سماجی خدمات کا ایک جال سا پھیلا رکھا ہے جسے عوام الناس میں خاصی مقبولیت حاصل ہے کرپٹ حکومت کی اپنی

صدر حسنی مبارک

اسکیمیں کم ہی ان لوگوں کو فائدہ پہونچا پاتی ہیں جن کی فلاح کے لئے وہ تیار کی جاتی ہیں اس کے مقابلے میں اخوان کی سماجی خدمات سے عوام کو بھرپور فائدہ پہونچا ہے۔ مصر کے پڑھے لکھے لوگ اخوان کے کام سے کافی متاثر ہیں۔ بہت ساری پروفیشنل تنظیموں پر اخوان کا قبضہ ہے۔ بہت سے مبصرین کا خیال ہے کہ اگر کبھی مصر میں غیر جانبدارانہ اور پاک صاف انتخابات ہوئے تو اخوان المسلمین اقتدار کے بڑے دعویداروں میں سے ایک ہوگی۔

گذشتہ جنوری میں حکومت نے اچانک اخوان کو اپنی ناراضگی کا شکار بنالیا اور ان کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا تنظیم کے 28 سرکردہ رہنماؤں کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا جن میں ڈاکٹروں کی انجمن کے بعض سینئر عہدیداران بھی ہیں یہ گرفتاریاں نیم سرکاری اخبار الاہرام میں ایک رپورٹ کی اشاعت کے بعد کی گئیں جس میں کہا گیا تھا کہ اخوان کو بل کلنٹن کی اس لسٹ میں شامل ہونا چاہئے تھا جس میں دوسری دہشت گرد تنظیموں کا اندراج ہے اور جن کے اثاثوں کو امریکہ میں منجمد کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد صدر حسنی مبارک نے ایک بیان میں کہا کہ "مغربی ایشیائی دہشت گردی کا سرچشمہ ہماری اپنی غیر قانونی اخوان المسلمین ہے"

نام نہاد "اسلامی دہشت گردی" کے خلاف نئی اور سخت امریکی پالیسی کے سامنے آنے کے بعد حسنی مبارک کے اخوان کے خلاف اقدام کی وجہ صاف ہے۔ آج تک مصر ایسے جابرانہ اقدامات کے ذریعے ایک طرف امریکہ کو یہ باور کراتا رہا ہے کہ وہ اس خطے میں امریکی مفادات کا نگہبان ہے اور دوسری طرف معاشی و دفاعی امداد کا اس بنیاد پر خواہاں رہا ہے کہ مصر کی کمزوری سے دہشت گردی کو بڑھاوا ملے گا۔ عموماً امریکی مغربی حکومتیں مصری حکام کی اس چالاکی میں پھنس کر ان کی معاشی، سیاسی اور دفاعی مدد کرتی رہی ہیں۔

اخوان المسلمین کے رہنماؤں کی گرفتاری کے ساتھ مصر کی سیکورٹی فورسیز نے مسلح اسلام پسندوں کے خلاف بھی بڑے پیمانے پر کارروائی کی ہے۔ جنوری کا مہینہ سب سے خونیں ثابت ہوا۔ حکومت کے دعوے کے مطابق اس نے 30 دہشت گردوں کو ہلاک کر دیا۔ آزاد ذرائع کے مطابق بعض پولیس والے بھی اس آپریشن کے دوران کام آگئے تین سال قبل مصری حکومت کے خلاف الجماعۃ الاسلامیہ کی مسلح جدوجہد کے آغاز کے بعد سے اب تک سینکڑوں لوگوں کو شبے کی بنیاد پر ہلاک کر دیا گیا ہے یا انہیں جیلوں میں ٹھونس دیا گیا ہے۔

انسانی حقوق کی تنظیموں کے مطابق اس وقت مصری جیلوں میں 20 ہزار سے زائد اسلام پسند طرح طرح کے مظالم کے شکار ہیں قیدیوں کے ساتھ تشدد اور اذیت رسانی کے ساتھ مصری پولیس مشتبہ افراد کے اہل خاندان کو بھی تنگ کرتی ہے۔

انسانی حقوق کی تنظیموں کے مطابق اس وقت مصری جیلوں میں 20 ہزار سے زائد اسلام پسند طرح طرح کے مظالم کے شکار ہیں قیدیوں کے ساتھ تشدد اور اذیت رسانی کے ساتھ مصری پولیس مشتبہ افراد کے اہل خاندان کو بھی تنگ کرتی ہے۔

اکثر جیل میں بند یا مفرور مشتبہ افراد کے اقرباء کو یرغمال بنا لیا جاتا ہے یا ان کے کھیتوں کو جلا دیا جاتا ہے مصریوں نے اسرائیل سے سبق لیتے ہوئے اب مشتبہ اسلام پسندوں کے گھروں کو زمین بوس کرنے کی پالیسی بھی اختیار کر لی ہے بعض مغربی صحافی یہ سب دیکھ کر مصری حکومت کی پالیسی کو جابرانہ، غیر انسانی اور بے رحمانہ گرداننے لگے ہیں۔ ان صحافیوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ ظلم و بربریت سے کبھی سیاسی مسائل حل نہیں ہوتے خصوصاً ریاست کی خود اپنے عوام کے خلاف دہشت گردی ہمیشہ نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ الجزائر کی مثال سامنے ہے جہاں حکومت نے جمہوریت میں یقین رکھنے والے اسلام پسندوں پر مظالم ڈھا کر اپنے ملک کو خانہ جنگی کی آگ میں جھونک دیا ہے۔

اگرچہ مصر کی حالت الجزائر سے ابھی بہتر ہے۔ الجزائر میں اب تک اندازاً تیس ہزار لوگ مارے جا چکے ہیں جب کہ مقابلۃً مصر میں ابھی تقریباً صرف سات سو لوگ ہلاک ہوئے ہیں۔ مگر اس بات کا پورا اندیشہ ہے کہ مصری حکام کے ظلم و بربریت سے مسلح بغاوت ختم ہونے کے بجائے مزید زور پکڑے گی۔ تشدد ہمیشہ تشدد کو جنم دیتا ہے۔ مگر اکثر حکمراں اس بنیادی بات کو نظر انداز کر دیتے ہیں حسنی مبارک نے بھی وہی پرانی غلطی کی ہے اور کوئی تعجب نہیں کہ مصر بھی الجزائر جیسی خانہ جنگی میں مبتلا ہو جائے۔

انور ابراہیم اور رفیعہ عزیز میں بڑھتی ناچاقی

وزیر اعظم ماثر محمد سیاسی دوراہے پر

رفیعہ عزیز پچھلے آٹھ سالوں سے ملیشیا کی وزیر برائے بین الاقوامی تجارت ہیں۔ آپ ملیشیا کی چند گنی چنی مستعد اور سرگرم خواتین میں شمار کی جاتی ہیں وزیر اعظم مہاثر محمد سے قربت نے ان کے اعتماد اور کارکردگی دونوں میں اضافہ کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ ایک اچھی منتظم اور باصلاحیت وزیر ہیں۔ مگر ایسا لگتا ہے کہ کامیابی نے انہیں مغرور بھی بنا دیا ہے۔ لوگ خصوصاً ان کی تیز و طرار زبان سے ڈرتے ہیں۔ کچھ لوگ تو باقاعدہ ان پر بدمزاج ہونے کا الزام بھی لگاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ملک میں ان کے دشمنوں کی تعداد اچھی خاصی ہے۔ ان میں ساتھی وزراء بھی ہیں۔ بیوروکریٹ اور پارٹی کے ممبران و عہدیداران بھی۔ ایسے وقت میں جب ملیشیا میں کسی وقت بھی عام انتخابات ہو سکتے ہیں رفیعہ عزیز پارٹی میں تیزی سے غیر مقبول ہوتی جا رہی ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ عام انتخابات کے بعد بننے والی کابینہ میں ان کا نام شامل ہی نہ ہو۔

رفیعہ کو سب سے پہلے 93 میں مخالفت کا سامنا کرنا پڑا جب ایک معروف خاتون نے حکمراں پارٹی کی خواتین ونگ (Wing) کی صدارت کے لئے انہیں چیلنج کیا۔ رفیعہ بڑی مشکلوں سے اپنی سربراہی کو قائم رکھ سکیں۔

رفیعہ عزیز کو وزیر اعظم مہاثر محمد کا اعتماد اور تعاون حاصل رہا ہے۔ مگر اس وقت ملیشیا ایک دوراہے پر کھڑا ہے اور اس کی قیادت کسی بھی وقت ایک نئی نسل کے ہاتھوں میں آسکتی ہے جس سے ان کے تعلقات خوشگوار نہیں کہے جاسکتے۔ اگرچہ وہ خود 51 سال کی ہیں مگر عام طور سے ان کا تعلق حکمراں پارٹی کی عمر دراز قیادت سے رہا ہے۔ جس کی وجہ سے نئی نسل میں ان کا کوئی خاص اثر نہیں ہے۔ خاص طور سے ڈپٹی وزیر اعظم انور ابراہیم جنہیں مستقبل کا وزیر اعظم اور مہاثر محمد کا جانشین کہا جاتا ہے رفیعہ سے ناراض معلوم ہوتے ہیں۔ ابھی حال ہی میں ایک تقریب کے دوران انور ابراہیم نے غیر متوقع طور پر یہ کہہ کر سب کو چونکا دیا کہ "رفیعہ پارٹی میں غیر مقبول ہیں اور ان کا سپورٹ دن بہ دن ختم ہو رہا ہے" رفیعہ کے ایک معتمد کا کہنا ہے کہ دونوں رہنماؤں میں آج کل ایک سرد جنگ سی چل رہی ہے۔

انور اور رفیعہ کے تعلقات اس وقت خراب ہونا شروع ہوئے جب 1993 میں پارٹی انتخابات کے دوران رفیعہ نے کھل کر ان کا ساتھ نہیں دیا۔ مگر انور کی فتح کے بعد معاملہ دب سا گیا۔ واضح رہے کہ انور اس وقت پارٹی کی نائب قیادت کے امیدوار تھے۔

رفیعہ کی نئی مشکلات اس وقت شروع ہوئیں جب ان پر اقربا پروری کا الزام لگایا گیا۔ دراصل ان کی وزارت کی ایک کمیٹی نے ان کے ایک رشتہ دار کو ایک کمپنی کے حصص متعینہ مقدار سے زیادہ تعداد میں دے دیے اس الزام کے جواب میں انہوں نے پارلیامنٹ میں 6 صفحات پر مشتمل ایک بیان جاری کیا جس میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ دوسرے سیاستدانوں کے عزیزوں کو بھی ترجیحی بنیادوں پر مختلف کمپنیوں کے حصص دیے گئے ہیں ان میں وزیر اعظم کے صاحبزادے مرزان اور انور ابراہیم کے بھائی مرزوکی بھی شامل ہیں۔ ظاہر ہے اس بیان کے بعد وزیر اعظم سمیت پارٹی کا ہر قابل ذکر شخص

باقی صفحہ پر

وزیر اعظم ماثر محمد

لالو یادو کو دوبارہ اقتدار میں آنے سے روکنے کے لئے

راؤ، اڈوانی اور سیشن کا مثلث

چیف الیکشن کمشنر ٹی این سیشن نے پھر انگڑائی لے لی۔ انہوں نے بہار میں الیکشن کی تاریخوں کو مزید ایک ہفتے کے لئے آگے بڑھا دیا۔ انتخابات جو پہلے پانچ، سات اور نو مارچ کو ہونے والے تھے وہ اب گیارہ، چودہ اور انیس مارچ کو ہوں گے۔ اس اقدام کے لئے سیشن نے صاف ستھرے الیکشن کے انعقاد کو بنیاد بنایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ چونکہ بہار میں امن وقانون کی صورتحال ایسی نہیں ہے جس میں صاف ستھرا الیکشن کروایا جاسکے اس لئے تاریخوں کو آگے بڑھایا جارہا ہے اور اس درمیان اس بات کو بھی یقینی بنایا جائے گا کہ وہاں پاک صاف الیکشن کا ماحول بن سکے اس کے لئے مرکز سے فورسز کی تین سو کمپنیاں بھی بھیجی گئی ہیں۔

واضح رہے کہ ادھر کچھ دنوں سے جب کہ ووٹنگ کی تاریخ قریب آرہی تھی اخبارات میں برابر اس قسم کی خبریں شائع ہو رہی تھیں کہ بہار کی صورتحال اچھی نہیں ہے اور وہاں صاف ستھرے الیکشن کا انعقاد تقریباً ناممکن ہوگیا ہے۔ انتخابی تشدد کی بھی وارداتیں رونما ہونے لگی تھیں اور مختلف پارٹیاں خصوصاً کانگریس اور بی جے پی بار بار یہ مطالبہ کر رہی تھی کہ وہاں پاک صاف الیکشن کا ماحول بنایا جائے۔ ادھر وزیر اعظم نرسمہا راؤ نے بھی اسی خدشے کے تحت بہار کا اپنا انتخابی دورہ منسوخ کر دیا تھا۔ ایسی صورتحال میں سیشن نے جو کہ پہلے ہی بہار کے حالات پر عقابی نظر رکھے ہوئے تھے ایک انتہائی قدم اٹھا لیا۔ اس قدم سے یقینی طور پر جنتادل اور بائیں بازو خصوصاً وزیر اعلیٰ لالو یادو کو کافی پریشانی ہوئی ہے کیونکہ اس اقدام کے پیچھے کئی مقاصد کارفرما نظر آرہے ہیں۔ جنتادل کی جانب سے اسے سپریم کورٹ میں چیلنج بھی کیا گیا مگر عدالت عظمیٰ نے اس معاملے میں مداخلت کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ الیکشن کمیشن بہار میں صاف ستھرے الیکشن کے لئے جو بھی اقدام کر رہا ہے وہ ایک طے شدہ حکمت عملی کے تحت کر رہا ہے اور یہ کہ کمیشن کا کام صاف ستھرے الیکشن کا انعقاد کرانا ہے۔ اس کیس میں ہاتھ ڈالنے سے عدالت کے گریز سے لالو یادو زبردست بحران میں مبتلا ہوگئے ہیں اس بحران کو ٹالنے کے لئے قومی مورچہ اور بائیں بازو کی جماعتوں نے صدر جمہوریہ سے بھی ملاقات کی اور انہیں اپنی پریشانیوں سے آگاہ کیا۔

دراصل ان کی پریشانی یہ نہیں ہے کہ تاریخیں ایک ہفتہ آگے بڑھا دی گئی ہیں بلکہ پریشانی اس سے ہے کہ یہ ایک چور دروازہ ہے بہار میں صدر راج نافذ کرنے کا۔ جنتادل کے لیڈروں کا خیال ہے کہ اس کارروائی سے سیشن بہار میں لالو کو اقتدار سے بے دخل کرنا اور وہاں صدر راج نافذ کروانا چاہتے ہیں۔ ان کا یہ بھی الزام ہے کہ اس کے پیچھے صرف سیشن کا دماغ کام نہیں کر رہا ہے بلکہ وزیر اعظم راؤ اور بی جے پی کے صدر اڈوانی بھی اس میں برابر کے شریک ہیں اور ان تینوں کی ملی بھگت سے یہ فیصلہ لیا گیا ہے ان کا مقصد اس سے ایک بات یہ واضح کرنا ہے کہ لالو ایک نااہل اور کرپٹ وزیر اعلیٰ ہیں ان کی موجودگی میں صاف ستھرے الیکشن نہیں ہوسکتے لالو یادو کو جہاں اپنی شکست نظر آئی وہاں وہ دھاندلی اور بے ایمانی کے بل بوتے پر اپنے حق میں ووٹ ڈلوائیں گے۔ جب کہ صدر جمہوریہ سے ملنے گئے وفد کا کہنا ہے کہ لالو یادو کو دوبارہ اقتدار میں واپس آنے سے روکنے کی کوشش کی جارہی ہے اور اگر ایسا ہوا تو وہ ملک گیر سطح پر اس کارروائی کے خلاف احتجاج کریں گے۔

سابق وزیر اعظم وی پی سنگھ نے بھی اس کارروائی کی مذمت کی ہے اور اسے جنتادل کے خلاف ایک سازش قرار دیا ہے۔

اگر سیشن اور لالو کی جنگ پر شروع سے نظر ڈالی جائے تو یہ قدم غیر متوقع نہیں ہے۔ دونوں میں پہلے فوٹو شناختی کارڈ کے معاملے پر محاذ آرائی ہوئی سیشن نے دھمکی دی کہ فوٹو کارڈ نہیں بنیں گے تو الیکشن نہیں ہونے دوں گا اس کے جواب میں لالو نے کہا کہ اس روئے زمین پر کوئی طاقت ایسی نہیں ہے جو الیکشن کو روک سکے۔ لالو سپریم کورٹ میں چلے گئے اور وہاں ان کے حق میں فیصلہ ہوگیا، سیشن کو پہلے کی مقررہ تاریخوں کو آگے بڑھانا پڑا اور یہ بھی مان لینا پڑا کہ بغیر شناختی کارڈ کے بھی الیکشن ہوجائے گا۔ اسے لالو کی جیت اور سیشن کی شکست سے تعبیر کیا گیا اور لالو نے اس فیصلے کو اپنے عوامی جلسوں میں خوب خوب اچھالا۔ انہوں نے ایک طرح سے مضحکہ خیز اور توہین آمیز انداز اختیار کر کے سیشن کی شکست کا ذکر چٹخارے لے لے کر کیا کہ سیاسی حلقوں میں یہ بات گشت کر رہی ہے کہ سیشن کو یہ انداز بہت برا لگا اور انہوں نے لالو کو سبق سکھانے کا تہیہ کر لیا۔

پہلے انہوں نے دھمکی دی کہ میں الیکشن روک سکتا ہوں لیکن پھر کہا کہ میں ایسا نہیں کروں گا البتہ دھاندلی بھی نہیں ہونے دوں گا خواہ اس کے لئے کتنی ہی فورس کیوں نہ بھیجنی پڑے۔ لیکن انتخابی مہم کا پہلا مرحلہ ختم ہونے میں چند دن ہی رہ گئے تھے کہ انہوں نے تاریخوں کو آگے بڑھا دیا۔ اب صورتحال یہ ہے کہ 15 مارچ کو لالو یادو کی حکومت کی مدت ختم ہو رہی ہے 15 کو لوک سبھا میں بجٹ بھی پیش ہو رہا ہے اور الیکشن 15 اور 19 کو بھی ہو رہے ہیں ایسی حالت میں یہ آئینی بحران سامنے آگیا ہے کہ کیا 15 کے بعد بھی لالو کی حکومت رہ سکتی ہے یا وہاں صدر راج نافذ کر دیا جائے گا۔ جنتادل اور بائیں بازو کی پریشانی یہی ہے کہ وہاں صدر راج کے نفاذ کا چور دروازہ کھول دیا گیا ہے۔

جب کہ دوسرے حلقے کا کہنا ہے کہ اس کارروائی کا مقصد صدر راج کے نفاذ کا ماحول سازگار کرنا نہیں بلکہ لالو حکومت کے منہ زور گھوڑے کو لگام لگانی ہے۔ لالو کے سر پر صدر راج کی تلوار لٹکا کر یہ جتا دیا گیا ہے کہ اگر انہوں نے صاف ستھرے الیکشن کروائے تو ٹھیک ہے ورنہ پہلے دور یعنی گیارہ مارچ کے الیکشن کے پیش نظر اگر دھاندلی ہوتی ہے تو فوری طور پر صدر راج نافذ کر دیا جائے گا۔ کہ بقیہ ادوار کی پولنگ ٹھیک ڈھنگ سے ہوسکے۔ سیاسی مبصرین کا کہنا ہے کہ سیشن نے اس اقدام سے لالو سے اپنی شکست کا انتقام لے لیا ہے۔

سیشن کی اس کارروائی کا جائزہ لیا جائے تو یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ اقدام ان کے کئی اقدامات کی خلاف ورزی کے مترادف ہے۔ پہلے انہوں نے اعلان کیا تھا کہ جب تک بہار میں الیکشن نہیں ہوجاتا کسی بھی ریاست میں ووٹوں کی گنتی نہیں ہوگی اسی لئے انہوں نے ووٹوں کی گنتی کی تاریخ گیارہ مارچ رکھی تھی تاکہ ایک ریاست کے انتخابات دوسری ریاست کے الیکشن کو متاثر نہ کر سکیں۔ لیکن اب مہاراشٹر، گجرات اور اڑیسہ میں بہار میں الیکشن سے پہلے ہی گنتی کا کام مکمل ہوجائے گا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسی صورت میں بہار کا الیکشن مذکورہ ریاستوں کے انتخابی نتائج سے متاثر نہیں ہوگا؟

سیشن کے اس اقدام کے پیچھے اڈوانی اور راؤ کی ملی بھگت پر سیاسی مبصرین کہتے ہیں کہ چونکہ اڈوانی کے رتھ کو لالو نے ہی روکا تھا اور اڈوانی اسے ابھی تک فراموش نہیں کر سکے ہیں اس لئے وہ کسی بھی قیمت پر دوبارہ لالو کی واپسی نہیں چاہتے۔ ادھر راؤ بھی نہیں چاہتے کہ لالو اقتدار میں واپس آئیں کیونکہ یہ راؤ کی زبردست شکست ہوگی۔

مجموعی طور پر اس وقت بہار کے حالات انتہائی دھماکہ خیز اور غیر یقینی ہیں۔ دراصل لالو کی آزمائش کا یہی وقت ہے اگر وہ اس بحرانی کیفیت پر قابو پا گئے اور راؤ اڈوانی اور سیشن کے بچھائے ہوئے جال میں الجھے بغیر کامیابی سے اپنے انتخابی قافلے کو نکال لے گئے تو یہ ان کی زبردست فتح ہوگی اور پھر پانچ سال تک انکے سیاسی مخالفین کی کوئی بھی سازش ان کے اقتدار کے پلڑے کو ہلا نہیں پائے گی لیکن اگر وہ اس وقت ڈگمگا گئے تو پھر اقتدار میں ان کی دوبارہ واپسی ناممکن بھی ہوسکتی ہے لالو کا قافلہ پھنستا ہے یا نکل جاتا ہے اس کا فیصلہ چند دنوں میں ہوجائے گا۔

بقیہ: فقہی سوال

سوال: شب زفاف میں بیوی کے پاس جانے سے قبل دو رکعت نماز پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے۔

جواب: بیوی کے پاس جانے سے پہلے دو رکعت نماز ادا کرنے کی بات بعض صحابہ سے تو ثابت ہے لیکن اس کے سنت نبوی ہونے کی تصدیق نہیں ہے۔ تاہم شرعی طریقہ یہ ہے کہ شوہر بیوی کی آگے کی لٹ پکڑ کر اس کے لئے اور اس کی فطرت سے خیر کی دعا مانگے اور اس کی فطرت کے شر سے اللہ سے پناہ مانگے اور اگر یہ خطرہ ہو کہ ایسا کرنے سے عورت بھڑک جائے گی تو اس انداز سے اس کی آگے کی لٹ پکڑے گویا کہ وہ اسے اپنے قریب کر رہا ہے پھر وہ اسے بوسہ دے پھر اس کے کان میں آواز کئے بغیر زیر لب یہ دعا پڑھے۔ "اعوذ باللہ من شرہا و شر ما جبلت علیہ" خاموشی کی شرط اس لئے ہے کہ اگر اس نے سن لیا اعوذ باللہ من شرہا تو چھوٹتے ہی کہے گی کیا مجھ میں شر بھرا ہوا ہے۔

سوال: چند ماہ قبل میں نے ایک دیندار مرد سے شادی کی جو میرے حقوق پوری طرح ادا کرتا ہے اس کے گھر والوں اور رشتے داروں کا برتاؤ بھی میرے ساتھ بہت اچھا ہے۔ لیکن ایک مشکل ہے جس سے میں بہت پریشان ہوں۔ بات یہ ہے کہ میں معلم کی حیثیت سے ملازم ہوں اور میرے شوہر ایک دفتر میں کام کرتے ہیں۔ اپنے شوہر سے میرا یہ معاہدہ ہوا ہے کہ ہم اپنی تنخواہوں سے برابر کچھ پیسے جمع کرتے رہیں گے جس سے اپنے لئے مکان خرید سکیں۔ فی الحال ہم دونوں کرائے کے مکان میں رہتے ہیں۔ جب اس منصوبے کا ذکر میں نے اپنے ساتھ کی دیگر استانیوں سے کیا تو وہ میرا منہ تکنے لگیں اور متعدد مثالوں سے مجھے اس اقدام سے باز رہنے کی نصیحت کرنے لگیں۔ ان کا کہنا تھا کہ خون پسینہ ایک کر کے میں پیسے جمع کروں اور اپنے شوہر کو دے دوں مکان خریدنے کے لئے مکان اس کا ہوجائے گا تو پھر وہ اسے طلاق دیدے یا دوسری شادی کر لے۔ اس لئے میں عجیب کشمکش میں ہوں۔ کیا میں اپنے پیسے زندگی کی ضروریات کی تکمیل کے لئے اپنے شوہر کے ہاتھ میں دیدوں یا آزادی سے اپنے پیسے جمع کرتی رہوں اور شوہر کو زندگی کا بوجھ اٹھانے کے لئے تنہا چھوڑ دوں۔

جواب: اگر آپ اپنے شوہر کی شرکت سے رہائش کے لئے مکان خریدنے کی خواہش مند ہیں تو اس میں خوف دامن گیر کیوں ہے۔ بے فکر ہو کر اس کام میں اس کے ساتھ شرکت کریں اور اس شرکت کو مصدق بنانے کے لئے قانونی دستاویز تیار کروالیں۔ یہ لکھا پڑھی شرعاً جائز ہے

یہاں ایک اور اہم بات بھی گوش گزار کر دوں کہ آپ ضرورت سے زیادہ جذباتی ہوگئیں ان حالات میں آپ کو کسی عقل مند دین دار اور امانت دار شخص سے مشورہ کرنا چاہئے تھا لیکن جیسا کہ خط سے اندازہ ہوتا ہے آپ نے ہر ایرے غیرے سے مشورہ لینا شروع کر دیا میں نہیں سمجھتا کہ یہ موزوں طریقہ تھا۔

بقیہ: ماثر محمد

ان کا مخالف ہوگیا۔

وزیر اعظم نے اپنے ڈپٹی انور کو اس امر پر مامور کیا کہ وہ رفیدہ کی اقربا پروری کی تحقیق کریں انور ابراہیم نے اپنی رپورٹ میں صاف طور سے کہا کہ حصص تقسیم کرنے کے طے شدہ قوانین کی خلاف ورزی ہوئی ہے جس سے اٹارنی جنرل کے مطابق رفیدہ کے خلاف کیس بنتا ہے۔

اس رپورٹ کے بعد ملیشیا کی کرپشن مخالف ایجنسی نے تحقیق شروع کی تفتیش کے بعد پتہ چلا کہ رفیدہ نے اس کمیٹی کی صدارت خود کی تھی جس نے مختلف کمپنیوں کے حصص تقسیم کئے تھے۔ خود رفیدہ یہ بات مانتی ہیں مگر اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتی ہیں کہ انہوں نے اپنے عزیزوں کے مفادات سے کمیٹی کو آگاہ کر دیا تھا اور اس کے بعد مباحثے میں حصہ نہیں لیا تھا۔

رفیدہ کے اس اعتراف کے بعد اکثر پارٹی لیڈروں کا کہنا ہے کہ انہیں فوراً استعفیٰ دے دینا چاہئے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر انہوں نے ایسا نہیں کیا تو انہیں اس پر مجبور کرنے کے لئے وہ مہم چلائیں گے۔ بظاہر اس وقت رفیدہ کی پوزیشن بہت نازک ہے حکمراں پارٹی کی خواتین ونگ میں ان کا اب بھی اچھا خاصا اثر ہے۔ اسی لئے ساتھ ان کے مخالفین کو اس بات کا بھی اندیشہ ہے کہ وہ خود ان کے کھیلوں کے بارے میں مزید انکشافات کر سکتی ہیں۔ خصوصاً وہ انور ابراہیم پر الزام عائد کرتی ہیں کہ وہ اتنے صاف ستھرے نہیں ہیں جتنا کہ تصور کیا جاتا ہے۔ مگر انور پر کوئی الزام ثابت کرنا رفیدہ کے لئے ایک مشکل کام ہوگا کرپشن کے خلاف انور کی آواز ایک مضبوط آواز تصور کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ اب سوچنے لگے ہیں کہ رفیدہ کے دن گنے جا چکے ہیں۔

اس سرد جنگ میں رفیدہ کے سب سے بڑے مداح مہاثر محمد نے معنی خیز خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔ انہوں نے رفیدہ کی محض الزام کی بنیاد پر مذمت کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ مگر اس سے رفیدہ کی پوزیشن مستحکم نہیں ہوتی کیونکہ ان کے خلاف تفتیش بہرحال جاری ہے۔ اگر رفیدہ اس الزام سے اپریل مئی تک بری الذمہ نہیں ہو پاتیں تو آئندہ عام انتخابات میں شاید پارٹی انہیں امیدوار کے طور پر کھڑا نہ کر سکے۔ کیونکہ مہاثر ایک کرپٹ وزیر کی حفاظت کرنے والے کی امیج لے کر انتخابی میدان میں اترنا پسند نہ کریں گے۔

چیچنیا کے بعد دوسری مسلم ریاست

بشکیروستان روسی جارحیت کے نشانے پر

سابق سوویت یونین کے خاتمے کے بعد نوبیدار اسلامی جمہوریتوں کے خلاف روسی جارحیت کے سلسلے کا اگلا پڑاؤ کہاں ہوگا؟ اس جارحیت اور فوجی حملے کی ابتداء تاجکستان سے ہوئی تھی۔ آزادی کے اعلان کے ساتھ ہی متحارب گروہوں میں اقتدار کے سوال پر کشت و خون کا بازار گرم ہوگیا۔ اس کے بعد چیچنیا پر روسی فوجوں کی یورش ہوئی جس کی ہلاکت وتباہی کی نذیر مشکل سے ہی ملے گی۔ یہ تو ہوا لیکن اس خون خرابے نے روس کے اصل چہرے اور روسی لیڈروں کے ذہن و دل میں چھپے ہوئے استعماریت کے دیرینہ خواب پر سے پردہ بھی اٹھادیا۔

روسی فوجی حملے میں بے قصور چیچن مسلمانوں کے وحشیانہ قتل اور ہولناک تباہی نے بیشتر ذہنوں کو اس جانب متوجہ کیا ہے کہ روس کا اگلا قدم کیا ہوگا اور نگاہیں بار بار بشکیروستان کی طرف اٹھتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آخر روس نے اپنی جارحیت کی مشق کے لئے اسلامی جمہوریہ بشکیروستان کا ہی انتخاب کیوں کیا۔ 25 اپریل 1993 کو عوامی رائے شماری کی بنیاد پر اولین صدر جمہوریہ مرتضی عبداللہ رحیموف کی طرف سے بشکیروستان کے دستور کا اعلان ہوتے ہی ماسکو کے مخالف حلقوں سے احتجاج بلند ہونے لگا۔ اس کے بعد سے کریملن اور رحیموف کے درمیان کشیدگی بڑھتی گئی جس میں کمی اسی وقت آئی جب 1994 میں روسی اور بشکیروستان کے درمیان اختیارات کی تقسیم کا معاہدہ ہوگیا جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے سابقہ روس۔ تاتارستان معاہدے سے مشابہ تھا جس کی رو سے موخر الذکر کو اقتصادی و انتظامی امور اور ماسکو کی مداخلت کے بغیر دیگر ممالک سے تعلقات قائم کرنے کے معاملات میں وسیع اختیارات دیے گئے تھے۔

بشکیروستان کو روسی اتحاد کی اسلامی جمہوریتوں میں ایک عرصہ تک دعوت اسلامی کے قلعے کی حیثیت سے نمایاں مقام حاصل ہے۔ حالانکہ وہاں کے باشندوں کو اپنا دین ترک کرکے اور تھوڈکس کلیسا کے سائے میں آنے کی تمام تر کوششیں کی گئیں۔ اسلام پر ان کے راسخ عقیدے کے مد نظر ملکہ یکاترینا دوئم کو مجبور ہو کر یہ فرمان جاری کرنا پڑا کہ بشکیریوں کو عیسائیت کی طرف راغب کرنے کی مہم ترک کر دی جائے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بشکیریوں اور تاتاریوں نے 1812 میں نیپولین کے حملے کا مقابلہ کرنے میں روس کا ساتھ دیا تھا۔ بشکیریوں کو اوزبگ اور جانینگ کے عہد میں برضاو رغبت حلقہ بگوش اسلام ہونے پر فخر ہے۔ اس کی اس خصوصیت کا اعتراف کرتے ہوئے بوشوای عقیدے کے پیروکاروں نے بھی اس بات سے اتفاق کیا کہ روسی مسلمانوں کے مذہبی امور کا ہیڈکوارٹر اووا میں ہی رہے۔

قدیم تاریخی کتابوں میں بشکیروستان کا ذکر عرب سیاح سلام الترجمان کے حوالے سے ملتا ہے جو دوسری صدی کے وسط میں یاجوج ماجوج کی تلاش میں نکلا تھا۔ دریائے وولگا کے کنارے چلتے چلتے اس کی ملاقات ایسی قوم کے افراد سے ہوئی جو عرب کے لئے ابھی غیر معروف تھی۔ انھیں بونا کہا جاتا تھا۔ سلام ترجمان نے اس قوم کو ترکی الاصل قرار دیا ہے جو جنوبی یورال کے علاقے میں آباد تھی اور خود کو بشکورت کہتی تھی۔ جہاں تک لفظ بشکورت کے مفہوم کا تعلق ہے تو اس بارے میں مختلف آرا پائی جاتی ہیں بعض لوگ اسے باشا سے ماخوذ بتاتے ہیں تو بعض اس کا مبدا شد قرار دیتے ہیں جس کے لئے یہ علاقہ آج بھی مشہور ہے۔ بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ بشکورت کی وجہ تسمیہ امیر

> سولھویں صدی میں جب بشکیروستان پر روسی تسلط قائم ہوگیا تو ان کے مذہب و عقیدے پر بھی چاروں طرف سے یلغار ہونے لگی اور انھیں عیسائیت کی طرف راغب کرنے کی کوششیں تیز تر ہوتی گئیں۔ تاہم ایسی کوئی مہم کامیاب نہ ہو سکی کیوں کہ دین لوگوں کے دلوں میں راسخ ہو چکا تھا۔

باشورت کی طرف اشارہ کرتی ہے جس کا ذکر معروف مورخ الفردوسی نے کیا ہے۔ دسویں صدی میں ایک عباسی خلیفہ کا نمائندہ احمد بن فضلان نے بشکیروستان کا دورہ کیا تھا۔ جو وسط دریائے وولگا کے پاس واقع ملک بلغاریہ میں اس وقت تھا۔ اس دورے سے اس نے بڑا غلط تاثر دیا اور انھیں بدترین ترک قوم سے موسوم کیا کیوں کہ نفاست و صفائی ان میں نام کو نہ تھی۔ مزید یہ کہ وہ وحدانیت کے بجائے مشرکانہ اعمال پر کاربند تھے۔ اور اپنے خداؤں کی تختیاں گلے میں لٹکائے رہتے تھے۔ سحر اور ٹونے ٹوٹکے کرتے تھے۔ چوری پکڑنے، شکار اور تجارت میں کامیابی اور آسیب سے نجات کے لئے نجومیوں کا سہارا لیتے تھے۔

ابن فضلان کے دورے کا مقصد اشاعت اسلام نہیں بلکہ سفارتی تعلقات کا فروغ تھا۔ بشکیریوں میں اسلام کی نشرو اشاعت کا سہرا بلغاری یا تاتاری قوم کو جاتا ہے جس نے روس میں سب سے پہلے قبول اسلام کا اعلان کیا اور یہی بلغاری افراد دین کی اشاعت کے لئے بشکیروستان کے مغربی علاقوں میں بھی پہلے اور بخارا کے مبلغین نے جنوبی علاقوں کا رخ کیا۔ بشکیریوں میں اشاعت اسلام کی مخالفت کرنے والوں کے عبرت ناک انجام کا تذکرہ بہت سی عوامی اساطیری کہانیوں میں ملتا ہے۔ اوزبیگ اور جانیبک دونوں امیروں کا نام بشکیروستان کی تاریخ میں اس لئے روشن ہے کہ ان کے عہد میں نہ صرف اسلامی ثقافت کا فروغ ہوا بلکہ جنوبی یورپ کے علاقے میں مسجد کی تعمیر کی روایت کا آغاز ان دونوں حضرات کی ایماء پر ہوا۔ یہی نہیں بلکہ مساجد میں عربی زبان کی تعلیم اور قرآن پاک پڑھانے کا اہتمام بھی انھوں نے ہی شروع کیا۔ تاتارستان کی راجدھانی قازان میں پانچویں صدی میں دارالقضاء کے زیر اہتمام پہلا اسلامی بشکری اخبار نکلنا شروع ہوا تو قازان سے اسلامی مبلغین دین کی دعوت پھیلانے کی غرض سے بشکیروستان کے مشرقی علاقوں میں بھی جانے لگے۔

سولھویں صدی میں جب بشکیروستان پر روسی تسلط قائم ہوگیا تو ان کے مذہب و عقیدے پر بھی چاروں طرف سے یلغار ہونے لگی اور انھیں عیسائیت کی طرف راغب کرنے کی کوششیں تیز تر ہوتی گئیں۔ تاہم ایسی کوئی مہم کامیاب نہ ہو سکی کیوں کہ دین لوگوں کے دلوں میں راسخ ہو چکا تھا۔ اور غیر ملکی اقتدار سے نجات کے حصول کا رمز بن چکا تھا۔ وہاں پر بہت سی مساجد تھیں جہاں پنج وقتہ باجماعت نماز کے ساتھ ساتھ خطبہ جمعہ بھی ہوتا تھا۔ اور تلاوت قرآن کے ادوار بھی چلتے تھے۔ جب روسی حکام نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کو اپنے دین سے منحرف کرنے میں وہ کامیاب نہیں ہو پا رہے ہیں تو انھوں نے ایک سرکاری حکم نامے کی رو سے یہ ضروری قرار دے دیا کہ مسلمان اپنی مساجد کلیسائی طرز پر تعمیر کریں اور اپنے دینی شعار کو ارتھوڈکسی طور طریقوں سے قریب کریں۔ کوئی مسجد تعمیر ہونے پر اس کا مخصوص ٹیکس مسلمانوں سے لیا جاتا تھا۔ جو مساجد اور دینی اداروں کی طرف سے ادا کیے جانے والی وقفہ جاتی رقوم کے علاوہ تھا۔

قیصر روم کی چالوں نے بشکیریوں کو رفتہ رفتہ برگشتہ کر دیا اور 1733 میں عام انقلاب نے پورے علاقے کو اتھل پتھل کر دیا۔ مسلسل انتشار کی فضا پیدا ہو جانے کے خوف سے قیصر روم کو اسلام کی بیخ کنی کی تمام تدبیروں اور منصوبوں کو منسوخ کرنا پڑا لیکن اسلام کو کمزور اور مسلمانوں کو عیسائیت کی طرف مائل کرنے کی دیگر کوششیں زیریں رو کی طرح سے چلتی رہیں مثلاً یہ کہ جو شخص کلیسا میں اپنے اعتقاد و یقین کا اظہار کرے اسے جنس اور نقد کی شکل میں تحائف ملتے تھے۔ یہ مہم بھی کارگر نہ ہو سکی کیوں کہ مسلمان اپنے دین اور قرآن پر مضبوطی سے جمے رہے۔ لیکن جب روسی اقتدار یکاترینا دوئم کے ہاتھ میں آیا تو اسلامی قوموں اور بشکیریوں کے تئیں اس کی سیاست میں بڑی تبدیلی آئی جس کا مقصد وسط ایشیائی مسلمان لیڈروں کی تائید حاصل کرنے کی غرض سے ان سے قربت بڑھانا تھا۔

1905 میں قیصر روم نے مذہبی عقائد کی آزادی کا مشہور بیان جاری کیا۔ اس کے بعد بشکیر میں مسلمانوں کی آبادی کافی بڑھ گئی اور جب 1917 میں بوشوائی عقیدے کے پیروؤں نے انقلاب اکتوبر کا پرچم لہرایا تو اس وقت وہاں مسلمانوں کی تعداد 12 لاکھ تھی۔ اس کے بعد ہر چند کہ سابق سوویتی نظام کی اسلام مخالف مہم کے تحت مساجد بند کر دی گئیں لیکن مسلمانوں کی تعداد میں لاکھوں کا اضافہ ہوا۔ اووا شہر میں صرف ایک مسجد باقی رہ گئی جب کہ وہاں کی آبادی 1992 تک دس لاکھ ہو گئی۔ ایسے حالات میں بعض اسلامی شخصیات نے کمیونسٹ حکام کے ساتھ معاونت کا ہاتھ اس لئے بڑھایا کہ باقی بچ رہنے والے اسلامی اداروں کی حفاظت کر سکیں کیوں کہ سابق سوویت یونین میں باقی رہ جانے والے تین اسلامی ادارے تھے ان میں سے ایک اوفا میں یورپ و سائبیریا کے مسلمانوں کے لئے دینی ادارہ تھا جس نے بشکیری مسلمانوں کی دینی تربیت میں اہم کردار ادا کیا۔ سابق سوویت یونین کے ٹوٹنے کے بعد سے روس میں مسلمانوں کی صفوں میں اختلاف پیدا ہو جانے کے باوجود بشکیری مسلمانوں کو خصوصاً جمہوریہ چیچنیا کے واقعات سے عبرت حاصل کرتے ہوئے اس آزمائش کی گھڑی میں مسلم اتحاد کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوگیا ہے۔

●

چیچنیا کے مجاہدین: دشمن کی تاک میں

> تاجکستان سے لے کر ازبکستان تک اسلام دشمن قوتوں کا سازشی اتحاد پوری طرح آشکارا ہے۔

بقیہ: اسلام دشمن قوتوں کی کار فرمائی

وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں کی جغرافیائی، لسانی اور تہذیبی وثقافتی صورتحال کے پیش نظر لازمی طور پر ان آزاد مملکتوں کا رشتہ دیگر ممالک کے مقابلے مسلم مملکتوں سے زیادہ فطری اور قریبی قرار پاتا ہے۔ جسے روس یا مغربی ممالک لاکھ کوششوں کے باوجود ختم نہیں کر سکتے بلکہ جو گذشتہ 80 سالوں کے کمیونسٹ تسلط کے باوجود ختم نہیں ہو پائے۔ یہی سبب ہے کہ ان چھوٹی چھوٹی آزاد جمہوریتوں میں ایسے بعض حکمرانوں کو روس اور دیگر مغربی ممالک کی جانب سے شہ دینے کی کوششیں جاری ہیں جو ان مملکتوں کو اسلامی بیداری کی آماجگاہ بننے سے باز رکھ سکیں۔

تاجکستان فی الوقت ان مسلم مملکتوں میں سب سے اہم ہے جہاں اسلامی بیداری کی لہر سب سے زیادہ شدت رکھتی ہے اور یہاں کی اسلامی انقلابیوں کی سرگرمیاں دیگر مملکتوں پر بھی اثر انداز ہو رہی ہے۔ تاجکستان کی اسلامی احیاء پارٹی (آئی آر پی) جس کو عوامی سطح پر زبردست حمایت حاصل ہے اور جس کے خوف سے روسی حلقوں میں سراسیمگی پھیلی ہوئی ہے اس پورے خطے میں اسلامی بیداری کی علامت بن گئی ہے۔ اسلامی احیاء پارٹی کو گذشتہ 92 میں کمیونسٹ نواز موجودہ حکومت نے اقتدار سے محروم کردیا تھا۔ لیکن اقتدار سے محرومی کے باوجود اسلامی جیالوں کے عزائم اور حوصلے بلند ہیں اور وہ تاجکستان کی موجودہ کمیونسٹ نواز حکومت سے باہم دست گریباں ہیں۔

روس اور مغربی ممالک وسط ایشیا کی آزاد مسلم مملکتوں میں اسلامی انقلابیوں کی سرگرمیوں اور اسلامی احیاء سے اس لئے بھی خائف ہیں کہ انھیں اس حقیقت کا شدت سے احساس ہے کہ روسی سامراجیت کے خاتمے سے اس پورے خطے میں آزادی کی جو فضا پیدا ہوئی ہے اس کے سبب وسط ایشیا کے مسلم ممالک کا دنیا کے دوسرے ممالک اور بالخصوص اپنے پڑوسی ممالک سے گہرے روابط پیدا ہوتے جارہے ہیں اور ان مسلم ممالک میں اسلام کی سربلندی اور اسلامی اخوت پر مبنی نظام کے قیام کے لئے جو باہمی اتحاد وتعاون کا جذبہ موجود ہے وہ اسلام دشمن قوتوں کے لئے آنے والے دنوں میں زبردست چیلنج کی حیثیت اختیار کر لے گا۔ کیونکہ وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں سے دیگر مسلم ممالک میں آمد ورفت کا جو سلسلہ چل پڑا ہے اور اسلامی تنظیموں اور عوام کے دینی اخوت اور لسانی وتہذیبی تعلقات کی جانب جو رجحان موجود ہے اس کا کوئی جواب اسلام دشمن قوتوں کے پاس نہیں ہے۔

غرض کہ وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں کے بطن میں جو انقلاب کروٹیں لے رہا ہے وہ آنے والے دنوں میں اسلامی بیداری کی رو سے تاریخ ساز ثابت ہوں گی۔ اور یہ اس بات کا بھی واضح اعلامیہ ہیں کہ مغرب کی چودھراہٹ زیادہ دنوں تک باقی نہیں رہ سکے گی۔ کیونکہ اسلامی بیداری کی لہر اور اسلامی انقلابی تنظیموں کے درمیان پیدا ہو رہے عالمی روابط بلا شبہ مستقبل میں باطل کی شکست اور حق کی سربلندی کا پیش خیمہ ثابت ہوں گے۔

"مسلمان جانوروں کی طرح ذبح ہو رہے تھے اور امن عالم کے نام نہاد محافظ تماشہ دیکھ رہے تھے"

بوسنیائی مسلمانوں کی داستان خونچکاں

ایک جنگی نامہ نگار یحیٰ غانم کے قلم سے

ایک پناہ گزیں کیمپ میں سراجیو کے معصوم بچے۔ مستقبل تاریک

مسلمان جانوروں کی طرح ذبح ہو رہے تھے اور امن عالم کے نام نہاد محافظ کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ یحیٰ غانم کی تصنیف "بوسنیا کے ایک جنگی نامہ نگار کی ڈائری" کو بلا مبالغہ ایک ایسی اہم دستاویز قرار دیا جاسکتا ہے جس میں بوسنیا ہرزگوینا کی سرزمین کو مسلم وجود سے پاک کرنے کی سربیائی مہم اور اس کے گھناونے چہرے پر سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ یہ ان خطرناک حالات کی جیتی جاگتی تصویر ہے جن میں خود مصنف کو کئی بار موت اپنے سر پر کھڑی ہوئی نظر آئی۔ اس سے قبل یحیٰ غانم نے 1991 میں سربیا اور کروشیا کے درمیان جنگ اور 1992 کے موسم گرما میں جمہوریہ بوسنیا وہرزگوینا میں جنگ کے ابتدائی دنوں کی رپورٹنگ اخبارات کے لئے کی ہے لیکن یہ تیسرا تجربہ بقول ان کے خوفناک ترین ثابت ہوا ہے۔ جیسا کہ وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ وہ تاریخ کی سازشی تفسیر وتعبیر کے نظریہ کے قائل نہیں تھے لیکن جو کچھ انہوں نے اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھا اور بوسنیا میں جو مناظر ان کے کیمرے کی قید میں آئے ان سے انہیں ایک ایسی سازش کی کارفرمائی کا یقین کرنا پڑا جس کے تحت پوری حکمت عملی اور منصوبہ بندی کے ذریعے نہ صرف کسی ایک گروہ ایک بستی یا ایک شہر کو ہی ظلم کا نشانہ بنایا گیا بلکہ پوری ایک قوم ظلم کی نذر ہوگئی ایمنسٹی انٹرنیشنل کے بعض نمائندوں نے سربیائی پولیس چیف سے سوال کیا کہ جیلوں اور کیمپوں میں مقید مسلمان باشندوں کے وزن میں اس حد تک کمی کیوں آگئی ہے کہ وہ چلتے پھرتے ڈھانچے معلوم ہوتے ہیں۔ اس پر یہ جواب ملا کہ وہ خنزیر نہیں کھاتے اور رمضان میں روزے رکھتے ہیں۔ مسلمان ایسے ہی ہوتے ہیں کیا تم نے ان کا قرآن نہیں پڑھا۔ اس پولیس سربراہ کو سربیائی پولیس کے ہاتھوں مسلمانوں پر توڑے گئے وحشت ناک مظالم کی کوئی پروا نہیں ہے۔ خوف ودہشت کے ماحول میں سانس لینے والے چالیس لاکھ مسلمان قیدیوں کے مصائب کی بھی اسے کوئی فکر نہیں ہے جس نے دوسری جنگ کے دوران جرمن نازیوں کے ڈھائے گئے قہر کی یاد ذہنوں میں تازہ کردی۔ کاش کہ اسے معلوم ہوتا کہ انسان کے لئے سور کے بغیر بھی شکم سیر ہوکر کھانا ممکن ہے اور یہ کہ مسلمان خواہ رمضان ہو یا اس کے علاوہ کوئی مہینہ لاغر ہوئے بغیر بھی روزہ رکھتے ہیں۔

مصنف کو جب کروشیا کی راجدھانی زغریب ہوتے ہوئے بدقت تمام سراجیو پہنچنے میں کامیابی حاصل ہوئی تو انہیں سب سے پہلے شہریوں کی حالت جاننے کی خواہش ہوئی جس کے لئے انہوں نے ایک اسپتال کا دورہ کیا کیونکہ جنگ کے دنوں میں یہی ایک ایسی جگہ ہے جہاں اسے شہر اور اس کے مکینوں کی صورت حال کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ جتنی دیر میں اسپتال تک پہنچ سکے ان کا دل یہی چاہتا تھا کہ کاش کہ چاروں طرف سے ان کے کانوں میں آنے والی بم کے دھماکوں کی آوازیں بند ہوجائیں لیکن دھماکوں کا سلسلہ تھا کہ بند ہونے میں ہی نہیں آتا تھا۔

یہ توقع مجھے اس بنیاد پر تھی کہ اسپتال اور اس کے قریب کے علاقے فوجی کارروائی کا نشانہ نہیں بنائے جاتے لیکن یہ میرا وہم ہی تھا کیونکہ مجھے معلوم ہوا کہ سربیوں نے ایسی جگہوں کو بھی نہیں چھوڑا تھا۔ جیسے جیسے وہ اسپتال سے قریب آرہے تھے بمباری سے تباہ کاری کے آثار نمایاں ہوتے جارہے تھے۔ جیتا جاگتا شہر ہی نہیں بلکہ شہر خموشاں پر بھی جا بجا بموں کی یورش ہوئی تھی جس سے مردوں کی ہڈیاں تک لرز گئی ہوں گی۔ ایک بم اسپتال کے پاس غانم سے چند گز دور گرا جو یقیناً ان کی جان لے لیتا لیکن ابھی حیات باقی تھی۔ دو دیگر اشخاص اس دھماکے کی لپیٹ میں آئے ایک نوجوان اور ایک پانچ سال کی لڑکی۔ دونوں کو شدید زخمی حالت میں اسپتال میں داخل کیا گیا۔ ان کے چہروں پر موت کی زردی بکھرتی جارہی تھی۔ اور زندگی ان سے رخصت ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر اور نرس خون کی تھیلی کی فراہمی کے لئے ہاتھ پیر مار رہے تھے بلڈ بینک کی نرس خون کا اسٹاک ختم ہونے کا اعلان کرچکی تھی اسپتال کا عملہ اتنی بار خون دے چکا تھا کہ ان کی جان لب پر آئی ہوئی تھی۔ غرض کہ عجیب بے چارگی وبے بسی کا سماں تھا۔ پورا اسپتال زخمیوں اور ہلاک شدگان سے بھرا ہوا تھا۔ فرش پر بھی جا بجا لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔

حفاظتی انتظامات واقدامات کے مقابلے میں انسانی تقاضوں کو اکثر وبیشتر پس پشت ڈال دیا گیا۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہوا کہ تمام متعلقوں پر عدل وانصاف کے تحقق کے اصول کے تحت یحیٰ غانم نے ایک غیر جانب دار صحافی کی حیثیت سے عصمت دری کے مرتکب جنگی قیدیوں اور عصمت دری کا شکار ہونے والی عورتوں سے اخباری انٹرویو کی خصوصی اجازت چاہی تھی۔ اس کا جواب انہیں یہ دیا گیا کہ ہرچند کہ شدید محاصرے کے باوجود ان کے مصائب سے دنیا کو آگاہ کرنے کی غرض سے عالم اسلامی سے سراجیو آنے والے پہلے شخص ہیں تاہم بوسنیائی حکومت ایسی عورتوں سے ملاقات کرنے کی اجازت نہیں دے سکتی لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ ظالموں کی ہوس کا نشانہ بنی ہیں اور ان کے جسم وروح ایسی اذیتوں کے صدمے سے چھلنی ہیں جس کی نظیر انسانی تاریخ میں شاید ہی ملے۔

غانم نے بعض ذرائع سے عصمت دری کی شکار جن عورتوں تک رسائی حاصل کی ان میں سے سب نے کوئی انٹرویو دینے سے انکار کردیا لیکن انہوں نے اپنی مہم جاری رکھی کیونکہ ان کا خیال تھا کہ ان عورتوں سے گفتگو زخم پر نمک پاشی تو تصور کی جاسکتی ہے لیکن ان کی خاموشی ظالموں کو اپنے جرائم کی پردہ پوشی کا مزید موقع دے گی۔ آخر انہیں دو لڑکیاں ملیں ان کے نام تھے "املا" اور "سمیرہ" جو انٹرویو دینے پر راضی ہوگئیں لیکن جب معینہ وقت پر اول الذکر کی رہائش پر ٹیلی فون کیا گیا تو جواب میں تین الفاظ سنائی دیئے "املا نے خودکشی کرلی" بعد میں اس کے بارے میں معلوم ہوا کہ سولہ سالہ املا سربیائی ایذارسانی مرکز میں چھ ماہ تک قید رہنے کے دوران دسوں بار اجتماعی آبروریزی کا صدمہ مزید برداشت نہ کرسکی اور مقید ہستی سے خود ہی نجات حاصل کرلی۔ املا کی خودکشی اپنی نوعیت کا پہلا یا آخری واقعہ نہیں تھا۔ اب غانم اکثر یہی دعا کرتے رہتے تھے کہ سمیرہ بھی کہیں املا کے ہی نقش قدم پر نہ چلے۔ بہرحال ایسا نہیں ہوا اور سمیرہ سے ملاقات کا موقع مل گیا۔ سمیرہ مجسم آہ وزاری بنی ہوئی تھی انٹرویو کی ویڈیو ریکارڈنگ کے دوران مجھے اس نے بتایا کہ دہشت کا شکار ہونے کے بعد سے نہ صرف

یحیٰ غانم

اس نے بلکہ اس کی دوستوں نے بھی اسکارف باندھنا شروع کردیا ہے نیز یہ کہ اس جانکاہ تجربہ کے بعد اسے ایک پناہ گاہ کی ضرورت محسوس ہوئی جو اسے قرآن مجید کی صورت میں مل گئی۔ اس نے بڑی معصومیت سے سورہ فاتحہ زبانی سنائی۔ پھر اسی معصومانہ لہجے میں کہا کہ کیا میرا خیال ہے کہ کیا کوئی غیر بوسنیائی بھی اس سے شادی کرنا پسند کرے گا۔ غانم کا جواب اثبات میں تھا پھر وہ خود کلامی کے انداز میں بولی "لیکن کیا اتنا سب کچھ دیکھنے کے بعد میں زوجیت کی متحمل ہوسکوں گی" اس سوال کا غانم کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ سمیرہ کی بتائی ہوئی تفصیل حسب ذیل ہے:

21 سالہ سمیرہ جن کا سمیرہ ایانو میتش ہے جنگ سے پہلے مشرقی بوسنیا کے روجانسا شہر میں بی اے سال دوم کی طالبہ تھی جہاں اس کے خاندان کے افراد 92 میں عیدالاضحیٰ سے قبل پہنچے تھے۔ اس وقت سراجیو میں جنگ جاری تھی لیکن ان کا شہر پرسکون تھا تاہم فضا میں کشیدگی تھی۔ مدارس اور تجارتی مراکز بند تھے لوگ اپنے گھروں سے نکلنے میں احتیاط کرتے تھے۔ اور اسی دوران ان کا خاندان شیلدو فیتش گاؤں میں منتقل ہوگیا جہاں مئی 92 کا پورا مہینہ گزارا 22 مئی کو روجانسا پر سربیاؤں نے راکٹوں سے حملہ کردیا جس کا مسلمانوں نے کوئی جواب نہیں دیا کیوں کہ ان کے پاس اسلحوں کی کمی تھی چند روز بعد ان کے گاؤں پر بھی سربوں کا حملہ ہوگیا اور اسے آگ لگا دی گئی اس میں خود ان کے پڑوسیوں نے ہی حصہ لیا اور تین عورتوں کو زد و کوب کیا۔ مجبوراً وہ لوگ پاس کے گاؤں شادو فیتا چلے گئے۔ اور وہاں تین ماہ رہے۔ بعد میں وہ اپنی ماں کے ساتھ روجانسا شہر آگئیں اور باپ اور بھائی پاس کے گاؤں میں رہ گئے۔

"سربیائی درندوں نے پہلے میری سہیلیوں کی عزت لوٹی پھر میرے ساتھ منہ کالا کیا" ایک بوسنیائی مسلم دوشیزہ کے رونگٹے کھڑے کردینے والے تاثرات

اس شمارے کی قیمت چار روپئے
سالانہ چندہ ایک سو پچاس روپئے / سو امریکی ڈالر
یکے از مطبوعات
مسلم میڈیا ٹرسٹ
پرنٹر پبلیشر ایڈیٹر محمد احمد سعید نے
الفا آفسیٹ پریس سے چھپوا کر
دفتر دلی ٹائمز انٹرنیشنل
49، ابوالفضل انکلیو،
جامعہ نگر، نئی دہلی۔25 سے شائع کیا
فون: 6827018

موت کے سوداگروں کو زندگی بخشنے کے لیے اسلامی بنیاد پرستی کا ہوّا

نام نہاد اسلامی بنیاد پرستی کے پروپیگنڈے کا حقیقت پسندانہ جائزہ

ایک جرمن اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے ناٹو کے سکریٹری جنرل ولی کلائس نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ اسلامی بنیاد پرستی سے مغرب کو اتنا ہی عظیم خطرہ ہے جتنا کبھی کمیونزم سے درپیش تھا۔ جو لوگ مغربی اخبار و رسائل کی ورق گردانی کرتے رہتے ہیں انھیں معلوم ہے کہ آج کل یورپ و امریکہ میں بنیاد پرستی کے نام پر مسلمانوں کے خلاف متعصبانہ جذبات کا اظہار ایک عام بات ہے۔

ولی کلائس کا بیان ایک ایسے وقت میں سامنے آیا ہے جب ناٹو کی ضرورت و اہمیت کے بارے میں اہل مغرب کا ایک طبقہ پھر سے شبہات کا اظہار کرنے لگا ہے۔ اس سے قبل جب سوویت یونین اور وارسا معاہدے میں شامل ممالک سے کمیونزم کا جنازہ نکلا تھا تب بھی بہت سے مغربی دانشوروں نے ناٹو کو ختم کرنے کی مہم چلائی تھی۔ ادھر حالیہ دنوں میں بوسنیا میں اس تنظیم کے غیر موثر رول کے بعد، خصوصاً بیہاچ میں گھرے اقوام متحدہ کے فوجیوں کی حفاظت سے معذوری کے اظہار کے بعد بہت سے لوگوں نے ناٹو کو ایک ناکارہ تنظیم کہہ کر اسے ختم کردینے کی اپیل کی ہے۔ ظاہر ہے یہ بات اس ادارے سے وابستہ بڑی بڑی تنخواہیں وصول کرنے والوں کے لئے ناقابل قبول ہے۔ مگر کھلے طور پر اپنے ذاتی مفاد کے بارے میں بات کرنے کے بجائے یہ لوگ ایسے طریقے اختیار کرتے ہیں جن سے ناٹو کی ضرورت و اہمیت اجاگر ہو۔

یہاں یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ وہ بنیاد پرستی آخر ہے کیا جس سے ولی کلائس اس قدر خوفزدہ ہیں۔ بنیاد پرستی کی جڑیں در اصل "احتجاجی عیسائیت" یا پروٹسٹنٹ کرسچینٹی میں ملتی ہیں۔ عیسائی بنیاد پرستی در اصل ایک ایسی تحریک ہے جو آزاد خیال ماہرین دینیات کی تنقیدوں کے برخلاف عیسائیت کے بنیادی عقائد کے دفاع و حفاظت کی کوشش کرتی ہے۔

اسلامی بنیاد پرستی: افسانہ یا حقیقت

لیکن اب یہ اصطلاح بالعموم ان مسلمانوں کے لئے استعمال کی جاتی ہے جو ایک اسلامی ماحول میں اپنے شعائر کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ اپنے نظریہ حیات کے مطابق زندگی بسر کرنے کی مسلمانوں کی یہ کوشش اہل مغرب کے نزدیک بنیاد پرستی اور کوتاہ ذہنی کی علامت ہے۔ مغربی پریس نے ایک باقاعدہ مسٹر فنڈامنٹلسٹ یا بنیاد پرست کا ہیولا تک تخلیق کرلیا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

"ہم نے جناب بنیاد پرست کو ٹی وی پر دیکھا ہے۔ وہ ایک سیاہ فام گھنی داڑھی والا اور خطرناک نظر آنے والا شخص ہے جو ٹھیک سے انگریزی نہیں بول سکتا۔ عام طور سے یہ شخص عجیب و غریب لباس زیب تن کئے رہتا ہے اس کے ساتھ اسکے ہاتھ میں ایک تلوار یا کلاشنکوف ہوتی ہے تاکہ وہ ہر اس آدمی کو موت کے گھاٹ اتار دے جو ایک کتاب لکھتا ہے۔ عام فساد برپا کرنے، معصوموں کو ہلاک یا دہشت زدہ کرنے اور کتابیں جلانے کے دوران ہی جناب بنیاد پرست صاحب کبھی کبھی گھر پر آرام کرتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں۔ وہ اپنے نرالے انداز کے سلیپر کو اتار کر چٹائی پر بیٹھ کر خوشبودار مرغن کھانا کھاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ کھانا سے فراغت کے بعد وہ اپنی متعدد بیویوں کی مارپیٹ کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ جی ہاں بالکل یہی ہیں جناب بنیاد پرست، ایک مکمل اور ناخوشگوار انسان۔"

بنیاد پرستی کی مغربی تعبیر و تشریح کے بعد اب آیئے اصل مسئلہ کی طرف یعنی ولی کلائس کا یہ بیان کہ اسلامی بنیاد پرستی سے مغرب کو زبردست خطرہ لاحق ہے۔ در اصل ولی کلائس کے اس بیان سے بھی زیادہ تعجب خیز یہ بات ہے کہ آخر انھوں نے اس کے لئے یہ وقت ہی کیوں منتخب کیا۔ یہ بیان انھوں نے در اصل بون میں دیا جب وہ جرمن چانسلر ہیلمٹ کوہل سے بات چیت کے لئے وہاں گئے تھے۔ انھوں نے مذکورہ بیان کے علاوہ یہ بھی کہا کہ چیچنیا میں روسی بربریت کے باوجود ناٹو روس کو وہ مراعات دیتا رہے گا جو "پارٹنرشپ فار پیس" معاہدے کے تحت اسے حاصل ہیں۔ گویا روس کے ذریعہ معصوم عوام پر مظالم و بربریت اور انسانی حقوق کی پامالی کے باوجود اس کی مدد اس لئے جاری رہنی چاہئے کہ مغرب کا عمومی فائدہ اسی میں ہے نہ کہ چیچنیا کے مظلوم عوام کی حمایت میں۔

چیچنیا کے بارے میں مغرب کا یہ رویہ بالکل ایسا ہی ہے جو اس نے کئی برس سے بوسنیا کے بارے میں اختیار کر رکھا ہے۔ بوسنیا میں قتل عام اور نسل کشی جیسے بھیانک جرائم کو مغرب نے محض اس لئے نظر انداز کر رکھا ہے کہ اسے مغرب کا مفاد مجروح ہوتا نظر آتا ہے اگر وہ سربوں کی جارحیت کو بزور طاقت روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ گویا مغرب کا مفاد چیچنیا، بوسنیا اور مغربی ایشیا میں مسلمانوں کے خلاف روسی، سربی اور اسرائیلی جارحیت سے نہیں بلکہ نام نہاد اسلامی بنیاد پرستی سے خطرے میں پڑتا ہے۔ یہ اسلامی بنیاد پرستی جیسا کہ 9 ستمبر 1993 کے انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹریبون کے ایک مضمون میں لکھا گیا، بالکل اتنی ہی خطرناک ہے جتنا کہ 1930 کی دہائی میں نازی اور فسطائی اور 1950 کی دہائی میں کمیونسٹ تھے۔ جب بھی مسلمان کہیں اپنے حقوق کے لئے جد و جہد کرتا ہوا نظر آتا ہے تو اسے فوراً بنیاد پرست اور دہشت گرد قرار دے دیا جاتا ہے۔ کہ مسلمان کی ہر کوشش "اسلامی بنیاد پرستی" ہے جبکہ بوسنیا میں سربوں کی جارحیت اور مظالم اور لبنان میں اسرائیلی بمباری کو عیسائی یا یہودی بنیاد پرستی سے تعبیر نہیں کیا جاتا۔

ایک انگریزی صحافی رابرٹ فیک نے اپنی کتاب "پٹی دی نیشن" میں بجا طور پر لکھا ہے کہ بنیاد پرستی کی اصطلاح نہ صرف مبہم ہے بلکہ اسے جذباتی بھی بنا دیا گیا ہے۔ دہشت گردی محض دہشت گردی نہیں ہے۔ یہ کوئی تعریف بھی نہیں ہے، یہ ایک سیاسی حربہ ہے۔ دہشت گرد صرف وہ ہیں جو اہل قلم کے خلاف تشدد پر آمادہ ہیں۔ اسرائیل صرف انھیں لوگوں کو دہشت گرد مانتا ہے جو اسکی مخالفت کرتے ہیں۔ اسی طرح امریکہ کی نظر میں صرف وہی دہشت گرد ہیں جو اسکی یا اسکے حامیوں کے خلاف ہیں۔ اس لفظ یعنی بنیاد پرستی کو استعمال کرنے کا مطلب ہے کہ ہم نے دو میں سے کسی ایک کی طرف رہنے کا فیصلہ لے لیا ہے۔ یہ فیصلہ ہم حق و باطل کے درمیان تمیز کی بنیاد پر نہیں کرتے بلکہ اس لئے کرتے ہیں کہ کچھ لوگ ہماری پالیسیوں سے اتفاق نہیں کرتے۔ ہمیں اس سے مطلب نہیں کہ ہمارے مخالفین کا موقف صحیح ہے یا غلط بلکہ ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ ہمارا مخالف لازمی طور پر غلط ہے۔

ولی کلائس کا بیان اوپر بیان کئے گئے پس منظر میں دیکھا جانا چاہئے۔ ان کا بیان ان مسلمانوں کے خلاف ہے جو اپنے انداز سے بغیر کسی مداخلت کے اپنی زندگی جینا چاہتے ہیں۔ مگر کلائس کی نظر میں یہ لوگ خطرناک ہیں۔ اگر ان خطرناک لوگوں کا ہوا نہ کھڑا کیا جائے تو ناٹو کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ظاہر ہے اگر ناٹو نہ رہے تو پھر سکریٹری جنرل کی اتنی بھاری تنخواہ والی نوکری بھی نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر ناٹو نہ رہے تو موت کے سوداگروں یعنی ہتھیار بنانے والوں کی زبردست فائدہ دینے والی تجارت بھی ختم ہو جائے گی۔

روجاتسا جس روز وہ آئے سڑکیں ویران پڑی تھیں اور سربیائی دو قریوں فراتشکا اور "یاکیا" کا محاصرہ کرچکے تھے جہاں انھوں نے صرف ایک دن میں سیکڑوں مسلمان مردوں عورتوں اور بچوں کو قتل کیا اور بے شمار لوگوں کو پکڑ کر دو مدرسوں میں قائم حراست گاہ میں بند کردیا اس کے علاوہ قریب کے جنگلوں میں فرار ہوجانے والے مسلمانوں کو چن چن کر تلاش کیا گیا۔ مسلمانوں کی لاشوں کو انھوں نے خالی گھروں میں بھر کر ان میں آگ لگادی۔ انہی دنوں ایک بار ایسا ہوا کہ اپنے محلے کے دہشونام کے ایک نوجوان کی آواز سمیرہ اور اس کی ماں نے سنی جو انھیں مدد کے لئے پکار رہا تھا۔ اسے ہمارے گھر کے سامنے سربیائی شکاریوں نے گولی ماری تھی۔ جب اس کی ماں باہر نکلیں تو سربیوں نے انھیں زخمی کردیا۔ ایسی حالت میں وہ شہر چھوڑ بھی نہیں سکتے تھے اور بغیر کسی طبی امداد کے وہیں پڑے رہ گئے۔

شہر میں سمیرہ اور ان کی ماں کو رہتے ایک ماہ گذرا تھا کہ ایک دن دو سربیائی جن میں ایک تو ان کا پڑوسی تھا اور دوسرے کا تعلق جمہوریہ سربیا سے تھا ان کے گھر پر آئے اور بندوق کی نوک پر ان سے پیسے اور سونے کا مطالبہ کیا۔ اس کے بعد دو آدمی اور آئے اور انھوں نے ارتھوڈکس مذہب اختیار کرنے کے لئے کہا۔ یہ سلسلہ تین راتوں تک چلتا رہا اس کے بعد وہ ان سے مسلمان جنگجوؤں کی اسلحہ گاہوں کمیں گاہوں اور ان کے ناموں کی تفصیل کے بارے میں پوچھ تاچھ کرتے رہے جس کا انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

اسی رات روجاتسا کے ایک نوجوان نے سمیرہ کی ایک سہیلی کی آبروریزی کی کوشش کی۔

چند روز بعد سمیرہ کو بھی قید گاہ میں لایا گیا۔ آدھی رات کو بجلی نہ ہونے کے باوجود سرچ لائٹ سے کمرہ چمک اٹھا۔ سمیرہ ایسے ہوگئی گویا گہری نیند میں ہے۔ سربیائی اس کی سہیلی کی طرف بڑھے جس کی عصمت دری پہلے ہوچکی تھی۔ اس کی منت وسماجت کے باوجود قاتلوں نے رات بھر میں دوبارہ اسے اپنی ہوس کا نشانہ بنایا۔

اپنی سہیلی کا حشر دیکھ کر سمیرہ کو اندازہ ہوچکا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ دوسرے روز سربیاؤں نے اسے اور تین دیگر لڑکیوں کو اٹھایا اور ایک عمارت میں انھیں لے جایا گیا جہاں وہ الگ الگ کردی گئیں۔ اس انسانیت سوز عمل سے وہ دھاڑیں مار رہی تھی اور اس کی آبروریزی کرنے والا شخص اسے ڈرا رہا تھا کہ اس کے ساتھ ابھی تین آدمی اور ہیں۔ اپنی ہوس پوری کر چکنے کے بعد جب اس نے پوچھا کہ مزہ آیا تو سمیرہ نے اس کی آواز پہچاننے کی کوشش کی اسی اثنا میں اندھیرے میں جب اس ذلیل نے سگریٹ سلگائی تو معلوم ہوا کہ یہ ان کا پڑوسی تھا جس نے انھیں اور ان کی ماں کو شروع میں گرفتار کیا تھا۔ دوسری رات چھ سربیائی آئے انھوں نے سمیرہ کی ماں کو اس لئے زدوکوب کیا کہ انھیں پہچاننے کی غرض سے ان کی ماں نے قندیل جلائی۔ اس دوران وہ لڑکیوں پر سربیوں کی دست درازی میں مزاحمت کررہی تھیں سربیائی دو لڑکیوں کو اٹھانے میں کامیاب ہوگئے اور مارپیٹ کر سمیرہ کو بھی اپنے ساتھ لے گئے اور ایک گاڑی میں بٹھایا جسے ان کی حرمت لوٹنے والا سربیائی ہی چلا رہا تھا۔ روجاتسا کے ایک فلیٹ میں تینوں سمیرہ کو لے کر آئے اور یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کے سامنے اس کی آبروریزی کی۔ جہاں سمیرہ کو بند کیا گیا تھا وہاں عورتوں کی جملہ تعداد 360 تھی اور ان میں سے سولہ سے چالیس سال کی عمر تک کی عورتیں ایسی ہی بربریت کا شکار ہوئی تھیں۔ ان میں سے کئی ایسی بھی تھیں کہ ان کی عصمت دری کی غرض سے ان کے ایک سال کے بچے جدا کروادیے گئے تھے۔ اسی قید و بند اور ذلت کی زندگی کے دوران انھیں تین بڑے ٹرکوں میں بھر کر ان کی منزل بتائے بغیر سراجیو کے اطراف میں لے جاکر یہ کہتے ہوئے چھوڑ دیا گیا کہ یہاں سے تمہارے ترک مسلمان کتوں تک پہنچنے کا راستہ مل جائے گا۔ بوسنیا میں مسلمانوں کو سربیائی اسی لقب سے یاد کرتے ہیں۔ اشارہ اس طرف ہے کہ وہ عثمانی ترکوں کی اولاد میں سے ہیں۔

سمیرہ سے جب یہ سوال کیا گیا کہ آبروریزی کے نتیجے میں اگر وہ حاملہ ہوئی ہوتیں تو وہ کیا کرتیں۔ ان کا جواب یہ تھا کہ میں اسقاط حمل کروالیتی۔ دوسرا سوال یہ تھا کہ اگر اسقاط حمل کی مہلت نہ ملتی تو پھر کیا ہوتا انھوں نے کہا میں بچے کو ہلاک کروادیتی ..... لیکن نہیں ..... وہ تو معصوم ہوتا ..... میں خود کو ضرور ہلاک کرلیتی۔

ایک بوسنیائی پناہ گزین خاندان: اب یہاں سے کہاں جائیں

اسپین اسلامی ثقافت سے متعارف ہونے کو بے چین

کمیونزم کا زوال اسلام کو ایک نئے دشمن کی شکل میں پیش کرنے کی مغربی کوششوں کا براہ راست سبب بنا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مغرب میں ایک حلقہ ایسا بھی ہے، جو اس منفی فکری رویے سے نبرد آزما ہونے کی کوشش کر رہا ہے اور اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے "خورخی کاستیو تنظیم" جس نے اسپینی دار السلطنت میڈرڈ میں اسلام اور عرب ثقافت کے موضوعات پر عرب اور یورپی اہل قلم اور مفکرین کے لکچروں کا انعقاد کیا۔ اپنے اس پروگرام کے ذریعے تنظیم کا مقصد یہ ہے کہ بحر متوسط کے دونوں طرف بسنے والی تہذیبوں کے درمیان تصوف، سلامی سرگرمیوں اور عورتوں کی حیثیت سے متعلق سیمناروں اور لکچروں کے ذریعے تفاہم کی فضا پیدا کی جائے۔ اس مہم کا سلسلہ میڈرڈ سے شروع ہو کر بارسلونا اور غرناطہ سے جڑنے والا ہے۔

امیرہ تریسیا ڈی بوربون کے میڈرڈ کومپوٹنسی یونیورسٹی میں سماجیات کی پروفیسر کے ان الفاظ نے تنظیم کے اغراض و مقاصد کو مزید واضح کر دیا جب انہوں نے کہا کہ ہم رواداری و امن کے خواہاں ہیں نہ کہ دونوں ثقافتوں کے درمیان تصادم کے۔ میڈرڈ میں اسلام پر منعقد ہونے والے لکچروں کی ابتدا تونسی مفکر عبدالوہاب بوحدیبہ کے خطبے سے ہوئی جو جامعہ تونس میں فلسفہ کے پروفیسر ہیں۔ انہوں نے آج کے پر اضطراب دور میں جب کہ عدم تفاہم کو ہوا دینے کی تمام کوششیں ہو رہی ہیں دونوں ثقافتوں کے درمیان تفاہم و تعاون کی ضرورت پر زور دیا۔ موصوف نے مختلف اسلامی مسلکوں میں حرام و حلال کے تصور سے بحث کرتے ہوئے اس نکتہ پر خصوصی تاکید کی کہ قرآن دین کا اصل ماخذ ہے۔ فرانسیسی مسلم مفکر روجیہ جارودی نے سامعین سے بھرے ہوئے ہال میں بنیاد پرستی کی تحریکوں پر اپنا مقالہ پیش کیا جس میں انہوں نے بتایا کہ مسیحیت روز اول سے ہی اسلام کی مخالفت میں سرگرم رہی ہے جس کی مثالیں یوحنا دمشقی اور دانتے کی "ڈوائن کامیڈی" ہیں کیوں کہ عیسائیوں کے نزدیک تیرہویں صدی تک مذہب ایک خطرہ بنا رہا اور ان کی راہ میں حائل ہوتا رہا۔ دوران گفتگو انہوں نے اس جانب بھی اشارہ کیا کہ اسلامی تہذیب کے زوال کی ذمہ داری بڑی حد تک بنیاد پرستی پر بھی ہے اور یہی اس مذہب کا حقیقی مرض ہے اگرچہ اس میں شک نہیں کہ دوسرے مذاہب بھی اس بیماری میں مبتلا ہیں۔ اس ضمن میں انہوں نے مشہور پاکستانی ایٹمی سائنس داں ڈاکٹر عبد السلام کا قول نقل کیا کہ مسلمانوں کی پسماندگی کا سبب جدیدیت سے انکا انکار ہے۔ انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کے سامنے دو راستے ہیں۔ ماضی پر نظر اور

میڈرڈ میں اسلام پر منعقد ہونے والے لکچروں کی ابتدا تونسی مفکر عبدالوہاب بوحدیبہ کے خطبے سے ہوئی جو جامعہ تونس میں فلسفے کے پروفیسر ہیں۔ انہوں نے آج کے پر اضطراب دور میں جب کہ عدم تفاہم کو ہوا دینے کی تمام کوششیں ہو رہی ہیں دونوں ثقافتوں کے درمیان تفاہم و تعاون کی ضرورت پر زور دیا

بدلتے ہوئے حالات کے مطابق خود کو ڈھالنے کی صلاحیت پیدا کرنا تاکہ اسلامی معاشرے ترقی کی اس منزل پر پہنچ سکیں جہاں دنیا کی دوسری قوموں کے شانہ بشانہ کھڑے ہو جائیں۔

فرانسیسی مفکر نے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ بنیاد پرست عناصر کا یہ سوچنا بہت بڑی غلطی ہے کہ وہ برحق ہیں۔ اور اس مفروضے پر کہ دوسرے غلطی پر ہیں اپنی بات کو دوسروں پر مسلط کرنے کا غلط موقف انہوں نے اختیار کیا ہے۔ ان کے نزدیک سامراج سب سے بڑا اور پہلا بنیاد پرست تھا کیوں کہ جہاں بھی اس کے قدم پڑے اس نے وہاں کے اصل باشندوں کو نیست و نابود کر دیا اور یہ مغربی تہذیب ہی ہے جس نے جنگ کے شعلے بھڑکائے، ہیروشیما پر ایٹم بم پھینکے، یہودیوں کو جلایا اور بوسنیا اور الجزائر میں مسلمانوں کو قتل کر رہی ہے۔ یہ وہ تہذیب ہے جو معاملات کو دوہرے معیار سے دیکھتی ہے جس کی مثالوں کی کمی نہیں۔ اسرائیل کی سرپرستی میں ہونے والی دہشت گردی کو ہی لے لیجئے۔ جب کوئی امریکی اس کا نشانہ بنتا ہے تبھی وہ مغرب کی نظر میں دہشت گردی قرار پاتی ہے۔

اسلامیات کے عالم اور الیکانتی یونیورسٹی میں پروفیسر مانگل دی بالتا کے خطبے کا موضوع تھا اسلام اور جاہلیت۔ انہوں نے مسجد قرطبہ میں اسلامی فن تعمیر کے نمونوں، سفرناموں پر مشتمل ادب، عربی خطاطی کے فن اور کلیسا اور مسجد کے فن تعمیر کے فرق پر اظہار خیال کیا۔ اپنے خطبے میں مجموعی تاثیر اور اصل روح کی مناسبت سے انہوں نے مسلمانوں اور یورپیوں کے درمیان ہم آہنگی اور وجود باہمی کے جذبہ کو فروغ دینے کی ضرورت پر سامعین کی توجہ مبذول کرائی۔ انہوں نے یہ وضاحت بھی کی کہ یورپ میں دو کروڑ مسلمان آباد ہیں اور اس کے علاوہ دونوں میں جغرافیائی قربت بھی ہے یعنی یہ کہ جبل طارق کی صورت میں یورپ اور عالم عرب کے درمیان چند میلوں کے فاصلے کے علاوہ کوئی دوری نہیں۔

خطبات کے نگراں اور خورخی کاستیو تنظیم کے مشیر صحافی جوردی استیف نے اس جانب اشارہ کیا کہ اسلامی ثقافت سے متعارف ہونا وقت کی اہم ضرورت ہے کیوں کہ یہ اسلام کو سمجھنے کا بھی ایک اچھا طریقہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ بعض لوگوں کے تصور کے برخلاف اسلام نہ تو کسی کا دشمن ہے نہ اس سے کسی کو خطرہ لاحق ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ اصل جنگ خود اسلامی معاشروں کے اندر ہے جہاں قدامت پرستی اور ترقی پسندی کے درمیان کشمکش جاری ہے۔

بقیہ : یہودی کالونیاں

گے لہٰذا اس مدت میں اگر ان کے پاس کچھ کرنے کو رہ گیا ہے تو یہی کہ خود مختاری کے دوسرے مرحلے کے نفاذ میں تاخیر اور فلسطینی ورکروں کی آمد و رفت پر عائد پابندی کو نامکمل طور پر اٹھانے کی شکایات کو منظر عام پر لائیں۔

اسرائیل میں کام کرنے کا لائسنس رکھنے والے فلسطینی شہری کبھی دہشت گردی کے جرم میں گرفتار تو نہیں ہوئے لیکن رابن کو اندیشہ ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کے آمد و رفت کی آڑ میں گھس بیٹھئے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ انہیں ہر ممکن حد تک اسرائیلی اور فلسطینی آبادی کو ایک دوسرے سے الگ تھلگ رکھنے کے اسرائیلی جذبہ کا بھی احترام کرنا ہے۔ جب کہ یہ جذبہ اوسلو میں وضع کردہ اس بنیادی مفروضے کو باطل کر دیتا ہے کہ مستقبل میں فلسطینی اور اسرائیلی کلچر میں تعامل کے ذریعے ان میں قربت پیدا کی جائے۔ رابن اس وقت فلسطین میں صنعتی علاقے کے قیام کی ضرورت پر زور دے رہے ہیں تاکہ فلسطینیوں کو زیادہ سے زیادہ روزگار کے مواقع فراہم ہو سکیں لیکن فلسطینیوں کو اس سے کوئی فائدہ پہنچنے کے لئے ابھی خاصا وقت درکار ہے۔

جہاں تک فلسطینی اور اسرائیلی آبادی کو ایک دوسرے سے الگ تھلگ رکھنے کی بات ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہودی کالونیاں مقبوضہ علاقوں میں اسی طرح قائم رہیں گی اور اسی لئے اس مسئلہ پر فوری غور و خوض کی ضرورت ہے کیونکہ یہی فلسطینی دہشت گردی کا سبب بھی بنا ہوا ہے اور اسی بنا پر اسرائیلی فوجوں کو فلسطینی آبادی والے علاقوں سے ہٹانے میں بھی تاخیر ہو رہی ہے۔ اس کا حل یقیناً یہی ہوگا کہ اولین مرحلے میں ہٹانے کے لئے بعض ایسی کالونیوں کی نشاندہی کر لی جائے جہاں حفاظتی اقدامات کی حد درجہ ضرورت ہے تاکہ انتخابات کرائے جا سکیں اور فوجیوں کے ہٹنے کا کام بھی شروع ہو جائے۔ ممکن ہے کہ حصر میں پی ایل او کے مخاصمے سے ان خطوط پر ہی گفتگو ہو اور ہو سکتا ہے کہ رابن کیبنٹ کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں اور امن کے امکانات بہتر ہو سکیں۔

لیکوڈ پارٹی کے ان کے حریف بن یامن کے پاس ایک متبادل امن منصوبہ بھی ہے جس کے تحت وہ یہودی کالونیوں کے ارد گرد حفاظتی فصیل یا کھائی بنوا دیں گے اور بعض کالونیوں کی توسیع کر دیں گے۔ گویا کہ یہ منصوبہ بذات خود دہشت گردی کا جواز ہوگا جو پورے خطے میں مزید بھیانک ہلاکت خیز صورت میں رونما ہوگا۔

بقیہ : شراب بندی

سے ہریانہ آندھرا پردیش سے زیادہ ترقی یافتہ ہے اس لئے صرف مالیات کے بہانے اتنے بڑے سماجی ایشو کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ وہاں شراب سے جو حادثے ہوتے ان میں اہم رول بھی شراب کے بجائے اسپرٹ ملی ہوئی شراب کا تھا اور اسپرٹ کا کوٹہ حکومت طے کرتی ہے۔ یہ بھی حیرت انگیز ہے کہ شراب نوشی میں ہوئی اموات پر حکومت معاوضہ تو دے سکتی ہے مگر شراب بندی لاگو نہیں کر سکتی۔

اس مسئلہ پر سوامی اگنی ویش کہتے ہیں کہ ویسے تو موجودہ حکومت سے جڑے کئی لیڈروں کے شراب کے ٹھیکے ہیں لیکن بھجن لال کی مشکل یہ ہے کہ ان کے اپنے داماد انوپ وشنوئی خود ایک شراب کارخانہ چلاتے ہیں۔ ایسی صورت میں بھلا بھجن لال شراب بندی کیوں لاگو کریں گے۔ جہاں تک مالیات کی بات ہے تو حقیقت یہ ہے کہ سماجی پلانٹوں کو دھڑا دھڑ بیچا جا رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ مالیات کے نام پر رونا رونے والے وزیر اعلیٰ سماجی پلانٹوں کو لے کر الٹی راہ پر کیوں چل رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بھجن لال اور چوٹالہ دونوں ہی شراب لابی کے سرپرست ہیں۔ شاید لوگوں کو یاد ہوگا کہ چوٹالہ نے نروانہ ضمنی الیکشن میں انتخابی مہم کا آغاز شراب کے ایک ٹھوک تاجر کے گھر سے کیا تھا۔

ہریانہ وکاس پارٹی کے لیڈر بنسی لال بھی تقریباً انہیں باتوں کی تائید کرتے ہیں وہ الزام عائد کرتے ہیں کہ شراب کے دھندے میں بھجن لال اور چوٹالہ پارٹنر ہیں اس الزام کی تصدیق بھجن لال کے متضاد بیانوں سے بھی کی جا سکتی ہے۔ انہوں نے ایک بار کہا تھا کہ اگر کوئی ریاست شراب بندی کا اعلان کرتی ہے تو ہریانہ اس میں پیش پیش ہوگا۔ لیکن اب جب کہ آندھرا دیش میں شراب بندی ہو گئی ہے تو وہ فرماتے ہیں کہ علاقائی سطح پر تو یہ ٹھیک ہے لیکن اگر مرکز اس سلسلے میں کوئی پالیسی اپناتا ہے تو ہریانہ اسے نافذ کرے گا۔

شراب بندی کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس سے زیادہ تر خواتین جڑی رہی ہیں۔ اس بار بھی سب کی نظریں عورتوں ہی پر ٹکی ہوئی ہیں۔ ہریانہ وکاس پارٹی کا دعویٰ ہے کہ اس کی خاتون ونگ کی صدر کرشنا گہلاوت پوری ریاست میں گاؤں گاؤں جا کر شراب کے خلاف ماحول سازی کر رہی ہیں۔

بہر حال پانی بجلی اور کرپشن کے ساتھ ساتھ شراب بندی کو 1996 کے الیکشن کا ایک اہم ایشو بنانے کی کوشش ہریانہ میں ہو رہی ہے۔ اگر بنسی لال اس کے سہارے تیسری بار وزیر اعلیٰ بننے کا خواب دیکھ رہے ہیں تو سوامی اگنی ویش اس کے سہارے اپنی تنظیم آریہ سبھا کو پھر سے کھڑا کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔

●

بقیہ : ترکی یورپین یونین میں

کسٹم یونین کے ممبر اگلے سال جنوری میں ہی ہو جائے مگر یونانیوں کا کہنا ہے کہ ترکی کسٹم یونین کی ممبری حاصل کرنے کے بعد "اصولی معاہدے" کی بقیہ شقوں پر عمل درآمد کو سرد خانے میں ڈال دے گا۔ انہیں یہ بھی اندیشہ ہے کہ ترکی کے حمایت یافتہ رووف دینکتاش جو ترکی قبرص کے صدر ہیں، اس اصولی معاہدے کو ہر طرح سے ناکام بنانے کی کوشش کریں گے کیونکہ وہ آسانی سے اقتدار سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔

لیکن ترکی کے لئے بھی کسٹم یونین کا ممبر بننا آسان نہ ہوگا کیونکہ اس ممبر شپ کی تصدیق ممبر ممالک کی پارلیامنٹ اور یوروپی پارلیامنٹ کرے گی جو بہت مشکل ہے۔ کیونکہ یوروپ کے بہت سے لوگ ترکی میں حقوق انسانی کی پامالی پر ناراض ہیں، خصوصاً گذشتہ دنوں کرد ممبران پارلیامنٹ کو جیل کی سزا دے کر ترکی نے اور بھی انہیں ناراض کر دیا ہے۔ کئی ممالک ترکی پر دباؤ ڈال رہے ہیں کہ وہ نہ صرف ان کی جیل کی سزا ختم کرے بلکہ کردوں سے مذاکرات کے حق کو بھی تسلیم کرے۔ ظاہر ہے

ترکی کی حکومت ایک علیحدہ کردستان سے متعلق مذاکرات پر آمادہ ہونے سے رہی۔

ایسا لگتا ہے کہ صرف معاشی نقصانات و فوائد ہی ترکی و یوروپی یونین میں کسی قسم کا معاہدہ کرا سکتے ہیں۔ قبرص کے ایک حصہ پر قبضہ قائم کرنے کے لئے ترکی کو کافی خرچ کرنا پڑتا ہے کیونکہ اس مقصد کے لئے اس کی تیس ہزار فوجیں وہاں موجود ہیں۔

مگر صرف ترکی پر یہ بوجھ نہیں ہے کسٹم یونین میں ترکی کے نہ ہونے سے یوروپی ممالک کا بھی نقصان ہے کیونکہ انہیں اپنا سامان برآمد کرنے کے لئے بھی خاصی رقم صرف کرنی پڑتی ہے۔

دراصل کسٹم یونین میں ترکی کی شمولیت سے دونوں کا فائدہ ہے۔ یوروپی ممالک آسانی سے اور کم قیمت پر اپنا سامان ترکی کے 6 کروڑ باشندوں تک پہونچا کر اچھا خاصا نفع کما سکتے ہیں جب کہ ترکی کو اپنا سامان برآمد کرنے کے لئے پورے یوروپ کی بڑی مارکیٹ مل جائے گی جس کی کل آبادی 6 کروڑ سے زیادہ ہے۔ اسی کے ساتھ ترکی کو ایک بلین سے زائد ڈالر کی وہ امداد بھی ملنا شروع ہو جائے گی جو یونانی ویٹو کی وجہ سے رکی پڑی ہے۔ اسی کے ساتھ جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا یوروپی ممالک کا بھی فائدہ ہوگا 93 میں ترکی کے ساتھ تجارت میں انہیں 6 بلین ڈالر کا فائدہ تھا۔ ظاہر ہے کسٹم اور ٹیرف Tarrif کے خاتمے کے بعد اس میں مزید اضافہ کی انہیں پوری امید ہے۔

ترکی کو اپنے سے قریب کر کے یوروپ ایک دوسرا فائدہ بھی اٹھانا چاہتا ہے۔ انہیں اندیشہ ہے کہ مغربی اور سنٹرل ایشیا میں اسلامی بنیاد پرستی کو فروغ مل سکتا ہے۔ معاشی طور پر مضبوط ترکی نہ صرف ان کے لئے ڈھال کا کام کر سکتا ہے بلکہ مذکورہ دونوں علاقوں خصوصاً سنٹرل ایشیا میں ان کے اخراجات بڑھانے اور ایران کے اثر کو کم کرنے میں بھی مدد دے سکتا ہے۔

مگر اسی کے ساتھ بعض یوروپی ممالک یہ بھی سوچتے ہیں کہ ترکی ایک غریب ملک ہونے کے ساتھ مسلم ملک بھی ہے اس لئے اسے 27 ممبروں پر مشتمل یوروپی یونین کا ممبر نہیں بنایا جانا چاہئے۔ اس طرح سیاسی و معاشی حالات ترکی کو یونین میں داخل کرنے اور نہ کرنے دونوں کے حق میں ہیں آخری فیصلہ کیا ہوتا ہے یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔

سلامت مسیح کے مقدمے نے کئی سوال کھڑے کر دیئے

پاکستان کے قانون ارتداد میں اصلاح کی ضرورت

تحریر: فیضان مصطفےٰ

14 سالہ پاکستانی عیسائی شہری سلامت مسیح اور اس کے چچا رحمت مسیح کے خلاف اہانت رسول اور ارتداد کے الزام میں سزائے موت کے فیصلے کو لاہور ہائی کورٹ نے ٹھوس ثبوتوں کے فقدان کی بناء پر مسترد کرتے ہوئے ملزمین کو بری کردیا ہے اور پاکستان کے مختلف شہروں کے گلی کوچوں میں ملزمان کی رہائی کے خلاف شدید غم و غصہ اور مظاہرے کی فضا گرم ہے۔ سلامت مسیح، رحمت مسیح اور منظور مسیح کے خلاف 11 مئی 93 کو ایف آئی آر یہ الزام لگاتے ہوئے درج کرائی گئی تھی کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کلمات دیواروں پر لکھے اور ایسی ہی پرچیاں ایک مسجد میں پھینکیں۔ مارچ 94 میں جب یہ تینوں افراد لاہور میں اپنے وکیل کے دفتر سے باہر آرہے تھے تو بعض نامعلوم اشخاص نے ان پر گولیوں کی بوچھار کردی جس میں منظور مسیح ہلاک ہوگیا اور باقی دو افراد شدید زخمی ہوئے۔ واضح رہے کہ سلامت نابالغ ہے اور کہا جاتا ہے کہ پڑھنا لکھنا بھی نہیں جانتا۔

اس ضمن میں پاکستان میں قانون ارتداد کی نوعیت، جرائم سے متعلق اسلامی نظام عدل سے اس کی مطابقت، اس کے غلط استعمال کی شکلیں، اس قانون میں اصلاح کے امکانات اور فوری حل کے طالب بعض اہم مسائل کا جائزہ لینا مناسب ہوگا۔ اس ملک میں قانون ارتداد قومی دستور کی دین نہیں ہے بلکہ متعلقہ دفعات 295 اور 295 اے برطانوی حکومت سے ورثے میں ملی ہیں اور اسی طرح یکساں قوانین ہندوستانی دستور میں بھی موجود ہیں۔ جہاں تک ان دو دفعات کا تعلق ہے تو ان کی روشنی میں مقدمات کا فیصلہ کرنے میں کسی دشواری کا سامنا نہیں ہوتا تھا۔ 80 سے 86 تک کے عرصے میں دفعات تعزیر میں ترمیم کرتے ہوئے ارتداد یا مسلمانوں کے جذبات مجروح کرنے کی سزا کو بھی اس میں شامل کرلیا گیا۔ اور اب دفعہ 295۔ ب کی رو سے قرآن کریم کی عمداً بے حرمتی یا اس کے کسی نسخہ کو جلانا قابل سزا جرم قرار پایا۔ اس دفعہ میں مذکور ہے کہ جو شخص زبان سے ادا کئے ہوئے یا لکھے ہوئے لفظ سے براہ راست یا بالواسطہ بالوضوح یا اشارۃً رسول اللہ صلی اللہ کے اسم مبارک کی بے حرمتی کرے اسے موت یا عمر قید کی سزا دی جائے گی۔ علاوہ ازیں وہ جرمانے کا بھی مستحق ہوگا۔ اکتوبر 90 میں وفاقی شرعی عدالت نے یہ حکم نافذ کیا کہ اس دفعہ میں مذکور جرم کی سزا اسلام نے موت مقرر کی ہے۔ اس طرح مئی 91 سے مذکورہ دفعہ میں سے "یا عمر قید کی سزا" کا فقرہ حذف کردیا گیا اور دفعہ 295۔ سی کے تحت مجرم قرار پانے والے افراد کے لئے سزائے موت لازمی ٹھہرائی گئی۔ 295 سی کے تحت کسی ملزم کو وارنٹ کے بغیر گرفتار کیا جاسکتا ہے۔ یہ جرم ناقابل ضمانت اور ناقابل مصالحت ہے اور اس کے مقدمے کی سماعت سیشن کورٹ میں ہوتی ہے جس کی سربراہی کوئی مسلمان کرتا ہے۔

ارتداد کے الزام میں سزائے موت کے لازمی قرار دینے کے سلسلے میں فقہا کے درمیان اتفاق رائے نہیں پایا جاتا۔ قرآن مجید میں مذکور سنگین ترین جرائم یعنی حدود میں سے نہیں ہے جن میں قرآن میں بتائی گئی سزا میں نہ تو کسی کی بیشی کی گنجائش ہے اور نہ ہی کوئی جج یا سیاسی اقتدار پر فائز شخص معاف کرسکتا ہے۔ اسلام میں موت کی سزا قتل کے مرتکب شخص کو اور اختیاری صورتوں میں دی جاسکتی ہے۔ مؤخر الذکر انتہائی صورت ہے جس کا نفاذ کم از کم ہوتا ہے یعنی جب مجرم کی فطرت اور جرم کی نوعیت اس کی متقاضی ہو۔ اس طرح اگر ایذا کے معاملے میں سزائے موت دینے کا معتبر قانون موجود بھی ہو اس کا لازمی قرار دیا جانا کسی قدر قانون میں شدت پسندی کا موجب بنتا ہے اور عدالتی عذر و اختیار کی کسی گنجائش کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ اسلام میں مرتد کی سزا حتمی طور پر موت ہی ہے تو بھی یہ یقین کرنا ضروری ہوگا کہ ملزم کا جرم پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے اور ذرہ برابر شک وشبہ اس میں نہیں ہے نیز یہ کہ عدالتی کارروائی اور سماعت کے دوران ملزم کے حقوق کا پوری طرح تحفظ ہورہا ہے مثال کے طور پر اسے اپنی صفائی پیش کرنے کی اور ثبوتوں کی تصدیق کی پوری اجازت ہو۔

1947 سے 1980 تک کے چونتیس سال کے عرصے میں دفعہ 295 کے تحت کل چھ مقدمات درج ہوئے اور چند معاملات میں ہی دو سال کی جیل کی سزا سنائی گئی۔ لیکن دفعہ 295 سی نافذ ہونے کے بعد سے اس دفعہ کے تحت درج ہونے والے مقدمات میں بڑی تیزی سے اضافہ ہوا۔ 1987 سے 92 کے دوران اس قانون ارتداد کے تحت 25 مقدمات میں ماخوذ احمدیہ فرقے کے 106 افراد کے خلاف کارروائی کی گئی۔

اس دفعہ کے تحت سات مسلمانوں پر بھی مقدمات چلائے گئے۔ اس فہرست میں پہلا نام ارشد جاوید کا ہے جسے بہاولپور کے سیشن جج کی طرف سے موت کی سزا سنائی گئی تھی۔ لاہور ہائی کورٹ میں اس فیصلے کے خلاف اپیل دائر کردی گئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ 37 سالہ جاوید غیر شادی شدہ اور ذہنی طور پر ماؤف ہے۔ ایک اور معاملے میں اسلامک اسٹڈیز کے لکچرر اور جماعت اسلامی کے ممبر حافظ امام بخش پر ایک طالب علم نے مارچ 93 میں ارتداد کا الزام لگایا تھا۔ معلوم یہ ہوا کہ حافظ امام بخش زکوٰۃ اور عشر کمیٹی کے ممبر تھے اور قومی اسمبلی کے ایک مقامی ممبر جن کا ہاتھ امام بخش کے خلاف ایف آئی آر درج کرانے میں بتایا گیا ہے ان کے پسندیدہ افراد کو اس کمیٹی میں رکھنے سے انھوں نے انکار کردیا تھا۔ جماعت اسلامی کے ہی ایک ممبر حافظ سجاد فاروق کو ان کے پڑوسی کی پھیلائی افواہ کی بنیاد پر مشتعل ہجوم نے اپریل 94 میں قتل کر ڈالا۔ اس واقعہ کا حیرت ناک پہلو یہ ہے کہ بعد میں جس مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے ان کے واجب قتل ہونے کا اعلان کیا گیا تھا وہیں سے ان کی معصومیت کی گواہی بھی دی گئی۔ اسلام میں اس طرح کے عدل وانصاف کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ یہ طریقہ کار نہ صرف اسلام کے منافی ہے بلکہ گناہ عظیم بھی ہے۔

پاکستان میں قانون ارتداد کا شکار ہونے والے افراد میں زیادہ تر عیسائی ہیں۔ سرگودھا کا باشندہ گل مسیح پہلا عیسائی تھا جسے جنوری 93 میں دفعہ 295 سی کے تحت سزائے موت سنائی گئی۔

سیشن جج نے گل مسیح کو موت کی سزا تین بنیادوں پر سنائی۔ مدعی ایک اچھے خاندان سے تعلق رکھنے والا مسلمان تھا۔ وہ ایک کالج کا طالب علم تھا اور وہ داڑھی رکھتا تھا۔ فروری 93 میں فیصل آباد کے عیسائی انور مسیح کا معاملہ یہ تھا کہ ایک مقامی دوکاندار سے تکرار کے نتیجہ میں ارتداد کے الزام میں اسے گرفتار کیا گیا اور آج تک وہ جیل میں ہے۔

مندرجہ بالا واقعات اور معاملات کے غائر مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ نہ صرف یہ کہ پاکستان میں قانون ارتداد کا استعمال زیادہ تر ذاتی بغض وعناد اور زمین جائداد کے پیچھے رنجشوں کا حساب چکانے کے لئے ہورہا ہے بلکہ اس کی آڑ میں اقلیتوں خصوصاً عیسائیوں پر ظلم کیا جارہا ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ کسی اسلامی ریاست کو اقلیتوں کی زندگی، املاک اور حرمت وناموس کا امین ہونا چاہئے۔

اہم بات یہ ہے کہ 295 سی سے متعلق معاملات میں مختلف مسلکوں کی تنظیمیں پیش پیش رہتی ہیں۔ اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوتا ہے کہ نعمت احمر کو اس نوجوان نے چاقو مار کر ہلاک کردیا تھا جس نے خود کھلے عام یہ اعتراف کیا کہ سپاہ صحابہ تنظیم نے اسے اپنی پارٹی میں ایک بڑا منصب دینے کا لالچ دے کر یہ کام کروایا تھا۔ مسلمانوں کے تعلق سے بات کی جاسکتی ہے کہ جتنے بھی افراد پر ارتداد کا الزام لگایا گیا ان سب کے پیچھے گروہی اور مسلکی چپقلش کارفرما ہے۔

اس صورتحال کے پیش نظر قانون میں اصلاح کی اشد ضرورت ہے۔ دفعہ 295 سی کی دو بڑی خامیاں یہ ہیں کہ اس میں قصد وارادہ کے ثبوت تلاش کرنے کی ضرورت کو نظرانداز کردیا گیا ہے جس سے کہ غیر ارادی غلطی بھی موت کی سزاوار ٹھہرا دی گئی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں غیر ارادی افعال کی وضاحت وصفائی کی مہلت دینے کا کوئی خانہ ہی نہیں رکھا گیا اس کے لئے ایسے احتیاطی اقدامات کی بھی ضرورت ہے جس کی مدد سے اس قانون کے غلط استعمال کو روکا جاسکے۔ ارتداد کے ملزم کو مناسب تحفظ ملنا چاہئے تاکہ عدالت اس کے جرم کے ثابت ہونے سے پہلے اسے کوئی جسمانی ایذا نہ پہنچنے پائے اس بات کی کوشش کی جائے کہ ضروری تحقیقات سے پہلے محض الزام کی بنیاد پر ایف آئی آر درج نہ کی جائے ملزم سے پوچھ تاچھ کرنے پر مقامی ایس ایچ او کے بجائے کسی بڑے افسر کو متعین کیا جائے۔ کسی شخص کو گرفتار کرنے سے قبل پولس کو وارنٹ لینا چاہئے اور ارتداد کے جرم کو ناقابل دست اندازی قرار دیا جانا چاہئے۔ پھر فرسٹ کلاس مجسٹریٹ کی اجازت کے بغیر درج نہ کیا جائے۔ مقدمہ ارتداد کی سماعت کیمرے کے سامنے ہو اور جو شخص کسی پر ارتداد کا جھوٹا الزام لگائے اسے کم از کم دس سال قید کی سزا دی جائے۔

راقم السطور قانون ارتداد کا مخالف نہیں ہے بلکہ اس موقف کا حامل ہے کہ قانون کا استعمال مناسب طریقے سے اور انصاف کے تقاضوں کے مطابق ہو۔ اقلیتوں کے ساتھ ایسا سلوک نہ کیا جائے کہ ان کا وجود ملک سے ختم ہوجائے اور اسلام اس کی تعلیم بھی نہیں دیتا۔ کیا ہی اچھا ہو کہ پاکستان تہذیبی اور مذہبی اقلیتوں پر مشتمل گلدستہ بنا رہے تاکہ وہ اپنی مذہبی، لسانی اور نسلی خصوصیات کے ساتھ پاکستانی قوم کے شیرازے کی واحد شناخت سے مربوط رہیں۔

(انگریزی سے ترجمہ)

بقیہ اسلامی بیداری کی لہر

سے خائف ہے۔ وسط ایشیائی ریاستوں میں اسلامی بیداری کے خطرے سے وہ کل بھی واقف تھے اور شاید اسی لئے 1985 میں گورباچوف نے عنان حکومت سنبھالنے کے بعد ہی ان ممالک کو مسائل کی آماجگاہ سمجھ کر روس سے الگ کرنے کی ٹھانی تھی۔ ساتویں دہائی میں روسی دانشور واضح طور پر محسوس کررہے تھے کہ مسلم ریاستوں میں آبادی کی تیز رفتار شرح بہت جلد ان کے لئے مسائل پیدا کر دے گی۔ اس لئے کہ روسیوں کی آبادی کا تناسب مسلمانوں کے مقابلے میں حیرت انگیز طور پر کم تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت جلد مسلم ریاستوں میں روسی آبادکار حیرت انگیز طور پر تناسب میں کم ہوگئے اور خود مسلمانوں نے تلاش معاش کے لئے روس اور دوسری یورپی جمہوریاؤں میں قدم جمانے شروع کر دیے۔ روس نے اس مسئلے کے حل کے لئے جرمن

کہ مسلم ریاستوں میں سرخ فوج مسلم فوج میں تبدیل ہوتی گئی کہ آبادی کے تناسب میں روسیوں کا اس تعداد میں فوج کے لئے ملنا ممکن نہ تھا۔ پھر ستر کے عشرے سے عرب اثرات نے بھی اپنا رنگ دکھایا۔ مسلم ریاستوں میں عرب ملکوں کی دولت کی خبر بھی پہنچی اور خلیج کے ملکوں سے اسلامی بنیادوں پر تعلقات استوار کرنے کی خواہش بھی پیدا ہوئی۔ خود روسی فوج کے اندر روسی اور مسلم فوجوں کے مابین خلیج پیدا ہوئی اور بہت جلد یہ محسوس ہونے لگا کہ اب سوویت یونین کو یکجا رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ اگست 91 کے فوجی انقلاب جس میں گورباچوف چند گھنٹوں کے لئے اقتدار سے بے دخل کر دیئے گئے، نے در اصل سوویت یونین کی اینٹ سے

سوویت یونین کے زوال میں دو بنیادی عوامل خاص طور پر کارفرما ہے۔ ان میں اولاً مسلم ریاستوں کے بے لگام ہوجانے کا خوف اور دوسرا سرخ فوج کی افغانستان میں عملی کارگذاری۔ سوویت یونین کے انہدام کے بعد اب ان ملکوں کے مسلم دانشور قومی تحریکیں اور سابق کمیونسٹ مسلمان رہنما اگر ایک متحدہ مسلم بلاک کا خواب دیکھتے ہیں تو در اصل اس کے پیچھے ان کا وہ شدید احساس محرومی ہے کہ ہم ایک طویل عرصے تک مسلم دنیا سے کٹے رہنے کی وجہ سے اسلام کے اس سرچشمے سے دور ہوگئے ہیں جس سے کبھی رابطہ رکھ کر ہم

کمیونزم کو پوری طرح خیرباد کہہ کر اسلامی بنیادوں پر ایک متحدہ مسلم بلاک بنانے کی کوشش تیز تر کردی تو اس کوشش میں انہیں بڑے پیمانے پر عوامی تائید حاصل ہوگی۔ جس کی ایک عملی مثال انھوں نے ابھی چیچنیا کے صدر کی شکل میں دیکھی ہے جو کل تک سابق کمیونسٹ نظام کا ایک حصہ تھے اور اس لئے عوام میں ان کی کوئی بنیاد نہ تھی۔ لیکن جب انھوں نے کمیونزم کے خلاف ہتھیار اٹھا لیے تو وہ ایک سلامی قومی رہنما کی حیثیت سے سامنے آئے اور چشم زدن میں ان کی عوامی مقبولیت کا گراف اوپر اٹھ گیا۔ ابھی یہ بات تو بہت مشکل ہے کہ وسط ایشیا میں نئے مسلم متحدہ محاذ کی قیادت سعودی عرب کرے گا یا ایران یا افغانستان کے راستے پاکستان اپنے اثرات اس خطے میں اچانک بڑھائے گا۔ البتہ یہ بات واضح طور پر نظر آرہی ہے

آر ایس ایس کے سر سنگھ چالک کی چونکا دینے والی باتیں

کیا مرکز میں کانگریس اور بی جے پی کی مشترکہ حکومت بننے والی ہے؟

ایک سال قبل جب آر ایس ایس کے سابق سر سنگھ چالک بالا صاحب دیورس نے پروفیسر راجیندر سنگھ کو آر ایس ایس کا چیف بنانے کا فیصلہ کیا تو یہ واضح ہوگیا تھا کہ یہ تنظیم اب پہلے سے کہیں زیادہ سیاسی رول ادا کرنے والی ہے۔ آر ایس ایس کی سات دہائیوں پر مشتمل تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا جب سر سنگھ چالک نے اپنی زندگی ہی میں اپنا جانشین نامزد کیا اور اسے تنظیم کی باگ ڈور پورے طور پر اپنے ہاتھ میں رکھنے کا راستہ بھی صاف کردیا۔ دراصل یہ دیورس ہی تھے جنہوں نے اپنے روحانی پیشوا مادھو راؤ سداشیو گولوالکر سے الگ راہ اپنائی اور آر ایس ایس کو ایک طرح سے سیاسی جماعت بنادی۔ سیاسی مقاصد کی حصولیابی کے لئے انہوں نے سابق بھارتیہ جن سنگھ سے آر ایس ایس کو جوڑ کر اس کی سماجی اور ثقافتی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیا۔

الہ آباد یونیورسٹی کے فزکس کے سابق پروفیسر راجیندر سنگھ عرف رجو بھیا کو تنظیم کے جنرل سکریٹری ایچ وی شیشادری پر دو وجوہات سے ترجیح دی گئی۔ ایک یہ کہ ایسے موقع پر جب کہ آر ایس ایس اور اس کی حلیف جماعتیں جیسے وشو ہندو پریشد اور بی جے پی شمال میں اقتدار پر قبضہ کرنے کی جی توڑ کوشش کر رہی تھیں تو راجیندر سنگھ سے بہتر کوئی دوسرا لیڈر ثابت نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ شمال کی مختلف سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں کو نہ صرف ذاتی طور پر جانتے تھے بلکہ ہندی بھاشی علاقوں میں آر ایس ایس کو مضبوط بنانے میں انتہائی سرگرم حصہ لیا تھا۔ دوسرے ان کی سوجھ بوجھ اس تنظیم کو دیورس کے نظریات کی روشنی میں آگے بڑھانے میں زیادہ معاون تھی۔

راجیندر سنگھ نے اپنے پیش روؤں کی توقعات پر پورا اترنے کی پوری کوشش کی۔ 17 فروری کو لکھنؤ میں ایک پریس کانفرنس کے دوران دیا گیا ان کا انتہائی شاطرانہ بیان لوگوں کی آنکھیں کھول دینے والا ہے۔ اس سے قبل آر ایس ایس کے کسی بھی چیف نے کانگریس کی اندرونی چپقلش میں اس طرح واضح سیاسی مداخلت کرنے اور چپقلش کے نتائج پر اثر انداز ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اطلاعات کے مطابق پروفیسر راجیندر سنگھ نے کہا کہ اگر

پروفیسر راجیندر سنگھ، آر ایس ایس کی سیاسی چال

برسر اقتدار کانگریس جماعت این ڈی تیواری کو اپنا لیڈر تسلیم کرلے تو آر ایس ایس کانگریس کی حمایت کرنے اور اس کے ساتھ ورکنگ تعلقات استوار کرنے کو پسند کرے گا۔

انہوں نے اس کی بھی تصدیق کی کہ جب جون 91 میں نرسمہا راؤ وزیر اعظم بنے تھے تو آر ایس ایس نے ان کی حمایت کی تھی، اور کہا تھا کہ تصادم کا راستہ ترک کرکے اہم ملکی ایشوز پر اتفاق رائے قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ پروفیسر سنگھ نے اس کا بھی انکشاف کیا کہ آر ایس ایس کے ایک اہم لیڈر اور بالا صاحب دیورس کے چھوٹے بھائی بھاؤ راو دیورس نے اس وقت راؤ سے ملاقات کی تھی اور کہا تھا کہ چونکہ کانگریس ایک فیملی کے کنٹرول میں نہیں ہے اور اس میں اور آر ایس ایس میں کافی حد تک مماثلت ہے اس لئے ان دونوں میں آپسی تعاون ہونا چاہئے۔ پروفیسر سنگھ کے مطابق تعاون کا یہ دور 6 دسمبر 92 کو بابری مسجد کے انہدام کے بعد ختم ہوگیا اس پس منظر میں یہ بات انتہائی اہمیت کی حامل ہے کہ راؤ کی اقتدار میں آمد سے آر ایس ایس اور بی جے پی کی قیادت میں زبردست جوش وخروش پیدا ہوگیا تھا۔ اس موقع پر بی جے پی کے ایک سرکردہ لیڈر کا کہنا تھا کہ راؤ دائیں بازو کے کانگریسی لیڈروں مدن موہن مالویہ اور پرشوتم داس ٹنڈن کی مانند ہندو نواز ہیں اور 70 کی دہائی میں وشو ہندو پریشد کی میٹنگوں میں وہ شریک بھی ہوتے رہے ہیں۔ اس وقت راؤ نے بی جے پی کے ایک سینئر لیڈر کو لوک سبھا کے ڈپٹی اسپیکر کا عہدہ پیش کرکے بی جے پی کو خوش کردیا تھا اور اڈوانی ان کا موازنہ لال بہادر شاستری سے کرنے لگے تھے۔ اس کے بعد ہی بھاؤ راؤ دیورس نے حکومت سے تعاون کا اپنا خیال ظاہر کیا تھا جو بعد میں ایک مشترکہ حکومت کے خیال میں بدل گیا تھا تاکہ کانگریس اور بی جے پی دونوں مل کر ملک کے اہم مسائل پر اتفاق رائے سے فیصلہ کرسکیں۔

یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا کہ اب آر ایس ایس کے چیف کا کہنا ہے کہ بابری مسجد کے انہدام کے بعد کانگریس کے ساتھ تعاون برقرار رکھنا ناممکن ہوگیا ان کا انگریزی اخبار پائنیر میں ایک خط بھی چھپ تھا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ چونکہ کانگریس نے خود مرلی منوہر جوشی کی ایکتا یاترا پر نکتہ چینی کی تھی اس لئے تعاون کا ماحول پیدا نہیں ہوسکتا۔ اب کانگریس کی آپسی چپقلش میں آر ایس ایس کے چیف نے راؤ اور ارجن سنگھ کو الگ تھلگ کرکے تیواری کی حمایت کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ آر ایس ایس نے کانگریس کے ساتھ مل کر کام کرنے کا اپنا فیصلہ ترک نہیں کیا ہے۔ اڈوانی کی قیاس آرائی ہے کہ وسط مارچ میں ریاستی انتخابات کے نتائج آنے پر کانگریس میں ایک تقسیم ضرور ہوگی۔ ایسی صورت میں جب کہ ارجن سنگھ پارٹی سے باہر ہیں آر ایس ایس این ڈی تیواری کو راؤ کے لئے ممکنہ خطرے کی شکل میں دیکھ رہا ہے۔

راؤ سے آر ایس ایس کی ناراضگی نظریات میں اختلافات نہیں بلکہ یہ حقیقت ہے کہ پنڈت نہرو اور اندرا گاندھی کے بعد راؤ واحد وزیر اعظم ہیں جنہوں نے بابری مسجد انہدام کے بعد وشو ہندو پریشد ور آر ایس ایس پر پابندی لگائی ہے۔ دوسری طرف تیواری کے حق میں یہ بات بھی جاتی ہے کہ جب وہ اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ تھے تو ان کے دور میں اجودھیا میں شلا نیاس کرایا گیا تھا۔ پروفیسر راجیندر سنگھ کے بیان کا یہ بھی مطلب ہے کہ ارجن سنگھ اور تیواری کے حامیوں میں تعلقات استوار نہ ہوسکیں۔ اگر س بات کو ذہن میں رکھا جائے کہ آر ایس ایس طویل المدتی حکمت عملی اختیار کرتی ہے اور پھر اتنی بہاری دلچسپی کی یہ بات، بھی ذہن نشین رہے کہ مرکز میں ملی جلی حکومت ہونی چاہئے تو راجیندر سنگھ کے بیان کا واضح مطلب نکالا جاسکتا ہے۔

این ڈی تیواری، آر ایس یس کے پسندیدہ لیڈر

کانگریس میں تقسیم کی صورت میں بی جے پی مرکز میں اپنی حکومت کا قیام پسند کرے گی۔ لیکن اگر اگلے لوک سبھا الیکشن میں وہ اس کے لئے ضروری سیٹیں حاصل نہ کرسکی تو کانگریس کے ٹوٹے ہوئے گروپ کے ساتھ مل کر مرکز میں ایک مشترکہ حکومت کے قیام کو ترجیح دے گی۔ لکھنؤ میں رجو بھیا کے بیان کا اگر مطلب نکالا جائے تو یہی نکلتا ہے۔ ●

بقیہ: رتھ یاتراؤں کے نام پر ہوگا خونیں کھیل

جائے گا جو تین سال تک اپنی زندگی سنگھ پریوار کے مقاصد کی حصولیابی کے لئے وقف کردیں۔ انہیں دھرم پرچارک یعنی مذہبی مبلغ بناکر پورے ملک میں پھیلایا جائے گا۔ کہنے کو یہ مذہبی مبلغ ہوں گے لیکن انہیں اس کی بھی ٹریننگ دی جائے گی کہ تبدیلی مذہب کس طرح کروائی جائے اور گائے کی حفاظت وغیرہ کے نام پر کس طرح فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا کی جائے۔ 18 سے 22 مئی تک اجودھیا کے کارسیوک پورم میں بجرنگ دل کے ورکروں کا ایک کیمپ منعقد کیا جائے گا۔ دھرم پرچارکوں کے بعد ان بجرنگیوں کو بھی ٹرینڈ کرنے کا کام ہوگا۔ اس میں ہر بلاک سے لوگوں کی نمائندگی ہوگی۔

اگست میں کرشن جنم اشٹمی ہے اس موقع پر پریشد اپنی پوری طاقت صرف کرکے تمام مندروں میں نام نہاد کرشن جنم بھومی کی مکتی کے لئے اجتماعی عہد کروائے گی۔ اس پروگرام کے تحت 18 کروڑ افراد سے عہد وپیمان کرانے کا خیال ہے سب سے خطرناک پروگرام 3 اکتوبر سے 19 اکتوبر کے درمیان ہوگا۔ اس میں تین قسم کی رتھ یاترائیں نکلیں گی۔ بارہ سال قبل پریشد نے ایکاتمتا رتھ یاترا نکالی تھی حالیہ یاترا بھی اس قسم کی ہوگی۔ واضح رہے کہ سابقہ یاترا سے پورے ملک میں نفرت وجنون کی فضا پیدا ہوگئی تھی اور سارے ہندو اس فرضی کہانی سے آگاہ ہوگئے تھے کہ رام مندر کو توڑ کر بابری مسجد کی تعمیر ہوئی تھی یہ پروگرام ایسے موقع پر رکھا گیا ہے جب ہندوؤں کے کئی مذہبی تہوار پڑ رہے ہیں۔ یہ یاترا ملک کے اہم اہم حصوں میں نکالی جائے گی۔ اس کے دوران اجودھیا، متھرا اور کاشی کی مٹی کی پڑیا بنا کر لوگوں کو چندن کے طور پر پیش کیا جائے گا۔ یہ پڑیا دو کروڑ کی تعداد میں بانٹی جائیں گی۔ رتھ یاترا میں گنگا کا پانی چھڑک کر لوگوں کا مذہب تبدیل کروایا جائے گا۔ جیسا کہ سنگھ پریوار کا کہنا ہے کہ مسلمان اپنے گھر سے دوسرے کے گھر میں چلے گئے ہیں ان کی واپسی ہونی چاہئے یعنی ان کی شدھی کرکے انہیں از سر نو ہندو بنایا جانا چاہئے۔ اس یاترا میں اس پروگرام پر خاصی توجہ دی جائے گی ظاہر ہے اس سے مذہبی جنون پھیلے گا اور فرقہ وارانہ کشیدگی میں بے پناہ اضافہ ہوگا فسادات کی راہ ہموار ہوگی اور پریشد یہی چاہتی ہے۔

گویا آئندہ پانچ چھ مہینے ملک کے لئے انتہائی ناخوشگوار ثابت ہوسکتے ہیں ملک میں فسادات کی نئی لہر آسکتی ہے اور کشت وخون کا بازار پھر سے گرم ہوسکتا ہے۔ خفیہ ایجنسیوں نے بھی اس کی رپورٹ حکومت کو دیدی ہے لیکن کیا حکومت ان حالات کا مقابلہ کرنے اور شرپسند عناصر کی گھناؤنی سازشوں کو ناکام بنانے کو تیار ہے۔ آنے والا وقت بھیانک ہوسکتا ہے اور حکومت ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی ہے۔

بقیہ: لینن کا مقبرہ یا کمیونزم کے زوال کی داستان

ان کے واقعات اور ان کی صورتوں کی تفصیل اکٹھا کی تھی۔ مصنف نے ٹوٹیلی ٹیرین اسٹیٹ میں عوام پر توڑے گئے مظالم کی بہت واضح تصویر پیش کی دنیا تو صرف سابق سوویت یونین میں کے جی بی ریڈ آرمی، ایذا رسانی کے کیمپ اور کمیونسٹ پارٹی جیسے جابر اداروں سے ہی واقف ہے لیکن ریمنک نے نظریاتی حربوں کو بھی آشکار کیا ہے۔ ان کے نزدیک گورباچوف کے گلاسنوسٹ کا واحد کارنامہ مروسی تاریخ کی واپسی ہے تنقیدی نگاہ سے سوویت تاریخ کو دیکھنے اور تاریخ کے خالی گوشوں کو پر کرنے کی گورباچوف کی جرأت مندانہ کوششوں نے مارکسزم کے بلند آدرشوں کے نام پر شہریوں پر مظالم کا راز افشا کردیا۔ ریمنک کے الفاظ میں تاریخ نے جب کروٹ بدلی تو کسی کو بخشنے پر راضی نہ تھی اور اس کے ساتھ ہی تاریخ کے سارے ستون زمین بوس ہوگئے۔ اس اعتبار سے لینن کے مقبرے کو خالی گوشوں کو پر کرنے کی ایک کامیاب کوشش کی نمائندہ تصنیف قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس عمل میں ریمنک کی نظر بعض ثانوی حیثیت کی تفصیل پر بھی ہے مثلاً گورباچوف کی پہلی محبت اور استالن کے پوتوں اور پوتیوں سے گفتگو کا دلچسپ بیان۔ انہوں نے یلتسن کو کمیونسٹ پارٹی کے لئے ناقابل برداشت مخالف اور زمین دوز شدید قرار دیا ہے۔ لیکن چیچنیا میں اندھا دھند بم باری اور روسی پارلیمنٹ پر حملہ اس کا ثبوت ہے کہ یلتسن کمیونسٹ پارٹی کے آقاؤں سے مختلف نہیں ہیں۔ اگرچہ سابق سوویت یونین کی خستہ حال معیشت کے اسباب کے موضوع سے انصاف نہیں کرسکے ہیں اور مجموعی طور پر کتاب تجزیات سے زیادہ بیانات پر مبنی ہے تاہم واقعات اور ان سے متعلق اور متعلقات شخصیات کی کافی چھان بین کے بعد انہیں قلمبند کیا گیا ہے۔ اس بنا پر یہ کتاب سوویت یونین کے زوال کی ایک دلچسپ داستان پیش کرتی ہے۔

شاہ فیصل عالمی ایوارڈ 1995

شیخ جادالحق

پروفیسر پال وٹنر

محترمہ سلمیٰ ال کوداز بادی

پروفیسر محمد ابوالانور

پروفیسر حامدی سید

پروفیسر کے بیری

پروفیسر ٹاک واہ ماک

پروفیسر مارک ڈیویس

کنگ فیصل انٹرنیشنل ایوارڈ کو نوبل پرائز کی حیثیت حاصل ہے۔ ہر سال علمی دنیا کے ان سربرآوردہ شخصیتیں اسکالروں اور سائنسدانوں کو دیا جاتا ہے جو اپنے اپنے شعبے میں مہارت رکھتے ہیں اور جن کے کارناموں اور تحقیقات کو بین الاقوامی سطح پر تسلیم کیا جاتا ہے۔

گزشتہ دنوں ریاض میں کنگ فیصل انٹرنیشنل ایوارڈ برائے 95 کا اعلان کر دیا گیا۔ کنگ فیصل فاؤنڈیشن کے سکریٹری جنرل ڈاکٹر عبداللہ او تیمین نے اس کا اعلان کیا۔ اعلان کے مطابق الازہر مصر کے امام اور انٹرنیشنل اسلامک کونسل فار دعوہ اینڈ ریلیف کے صدر شیخ جادالحق علی جادالحق کو اسلام کی خدمت کے عوض پر وقار کنگ فیصل انٹرنیشنل ایوارڈ سے نوازا گیا ہے۔ ان کے علاوہ جن کو مختلف میدانوں میں ایوارڈ دیئے گئے وہ اس طرح ہیں سائنس (کیمسٹری) کا ایوارڈ اسکریپس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کیلی فورنیا (امریکہ) کے پروفیسر کے بیری کو دیا گیا۔ میڈیسن (مولیکولر امونولوجی) کا مشترکہ ایوارڈ جارج پال وٹنر (برطانیہ) مارک ایم ڈیویس (امریکہ) اور ٹاک واہ ماک (کناڈا) کو دیا گیا۔

عربی ادب کے میدان میں مصر کے پروفیسر حامدی سید احمد ال سکاوت، شام کی محترمہ سلمیٰ اللطفی ال حفزال کوداز بادی اور مصر کے پروفیسر محمد ابوال انور محمد علی کو عربی ادب و زبان کی ترویج اور خدمت کے عوض دیا گیا۔

ایوارڈ کا اعلان کئے جانے کے موقع پر کنگ فیصل فاؤنڈیشن کے ڈائرکٹر جنرل پرنس خالد الفیصل، کابینی وزراء اور کئی سفارتکار بھی موجود تھے۔ ایوارڈ میں پہلے 350000 سعودی ریال دیا جاتا تھا جسے اب بڑھا کر 750000 سعودی ریال کر دیا گیا ہے۔ کل پانچوں ایوارڈ پر مجموعی رقم ایک ملین ڈالر ہوتی ہے۔ ایوارڈ یافتگان کو سونے کے تمغے اور توصیفی اسناد بھی اس سال کے آخر میں ایک پروقار تقریب میں دی جائیں گی۔

سلیکشن کمیٹی نے 96 کے ایوارڈ کے لئے بھی اندراج شروع کر دیا ہے۔ یہ انٹری سائنس (بایالوجی) میڈیسن (مینجمنٹ آف دی پری میچور انفینٹ) اسلامک اسٹڈیز (رسول اکرم صلی اللہ کی زندگی) اور عربی ادب (لٹریچر اینالائزنگ دی رائٹنگس آف ارلی عرب ٹریولرز) کے میدان میں ہوگی۔

بعد میں ایک پریس کانفرنس میں خالد الفیصل نے مغربی میڈیا کے رویے پر اظہار افسوس کیا اور کہا کہ اس نے اس ایوارڈ کی کماحقہ رپورٹنگ نہیں کی۔

شاہ فیصل انٹرنیشنل ایوارڈ، سعودی عرب کے شاہ فیصل فاؤنڈیشن کی جانب سے دیا جاتا ہے۔ اس فاؤنڈیشن کا قیام شاہ فیصل ابن عبدالعزیز کے فرزندوں نے اپنے والد ماجد کی یاد میں 67 میں کیا تھا۔ یہ فاؤنڈیشن مذہبی اقدار، اعلیٰ تعلیم اور صحت کے تحفظ کی کوشش کرتا ہے اس کے علاوہ ثقافتی پروگرام کو فروغ دینے، کم آمدنی والے ملکوں اور خاص طور پر ترقی پذیر ممالک میں معیار زندگی بلند کرنے کی جدوجہد کرتا ہے۔ اس فاؤنڈیشن کی جانب سے متعدد اسکالرشپ اور گرانٹس بھی دی جاتی ہیں۔ شاہ فیصل ایوارڈ کو پوری دنیا میں تسلیم کیا گیا ہے اور آغاز سے 94 تک 95 ممتاز اور عالمی سطح پر تسلیم شدہ دانشور، اسکالر اور سائنس داں شاہ فیصل ایوارڈ حاصل کر چکے ہیں۔

مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کی کیا یہ کوشش کامیاب ہوگی؟

جنیوا میں چل رہے اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کمیشن کے اجلاس میں جہاں انسانی حقوق کی پامالی کا مسئلہ چھایا رہا اور ہندوستان و پاکستان اور امریکہ کی انسانی حقوق کی خلاف ورزی پر گرفت ہو رہی تھی وہیں کشمیر کا مسئلہ بھی چھایا رہا۔ کشمیریوں کے کئی گروپ بھی اس میں شریک رہے اور ان میں سے بیشتر ایک دوسرے کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھ رہے تھے کوئی کسی کو ہندوستان اور را کا ایجنٹ کہتا تھا تو کوئی کسی کو پاکستانی انٹلی جنس کا ایجنٹ گردانتا اور خود کو سچا کشمیری اور کشمیریوں کا اصلی نمائندہ ہونے کا دعویٰ کر رہا تھا۔

اس اجلاس میں ہندوستان کی طرف سے بھونیش چترویدی نے حصہ لیا۔ اسی درمیان یہاں مرکز کی جانب سے کشمیر میں انتخابی عمل کے آغاز کی باتیں پھر کی جا رہی تھیں اور صاف اور غیر جانبدار الیکشن کرانے کے عزم کا اظہار کیا جا رہا تھا۔ اس موقع پر پینتھرس پارٹی کے صدر بھیم سنگھ نے کہا کہ بھونیش چترویدی جن کو کشمیر مسئلے کا جغرافیہ تک نہیں معلوم ہے کشمیر کے مسئلے پر ہندوستان کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ دلی سے صاف ستھرے الیکشن کی باتیں کی جاتی ہیں لیکن اگر صاف ستھرا الیکشن ہو گیا تو فاروق عبداللہ جیسے لوگ صبح کے کہرے کی مانند غائب ہو جائیں گے۔

اس موقع پر جہاں کشمیری گروپ ایک دوسرے کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھ رہے تھے وہیں بھیم سنگھ کی کوششوں سے ایک مشترکہ میٹنگ کے خدوخال بھی طے کئے گئے۔ اطلاعات کے مطابق ویانا میں 25 مارچ کو تمام کشمیری گروپوں کی ایک میٹنگ ہوگی جس میں بیس ہندوستانی اور چندہ کشمیریوں کو بھی مدعو کیا گیا ہے۔ یہ لوگ مل بیٹھ کر مسئلے کی نزاکت پر غور و فکر کریں گے اور کشمیر کا کوئی حل تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس میٹنگ میں بھیم سنگھ اور فاروق عبداللہ کے علاوہ پاکستانی مقبوضہ کشمیر کے سابق وزیراعظم راجہ ممتاز حسین راٹھور اور وہیں کے سابق صدر میجر جنرل حیات خاں بھی شرکت کریں گے۔

پروفیسر بھیم سنگھ کا کہنا ہے کہ جموں کشمیر میں خون خرابے کی ذمہ دار نئی دلی ہے۔ وہ ریاست کو ڈالا اور کمی ایجنسی کے طور پر چلا رہے ہیں۔ اب اس وقت وہ الیکشن کرانے کا پلان بنا رہے ہیں

> ہم تو سیب پیدا کرتے ہیں بندوق نہیں۔ لیکن ہم اس کا تجزیہ کریں گے کہ بندوقیں کیوں آتی ہیں اسلحے کیوں آتے ہیں کشمیر میں۔ جن لڑکوں نے آج ہتھیار اٹھا رکھا ہے ان کے بزرگوں نے ہندوستان کے لئے جدوجہد کی ہے۔ ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ آخر نئی نسل ہندوستان کے خلاف کیوں ہو گئی ہے۔

لیکن نئی دلی پر کسی بھی کشمیری کو اعتماد نہیں ہے۔ کیوں کہ ریاست کے تمام انتخابات فراڈ ثابت ہوئے ہیں اور دلی سے کسی کو یہاں بٹھا دیا جاتا ہے۔

ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ کشمیر میں بندوق پاکستان سے آتی ہے۔ ہم تو سیب پیدا کرتے ہیں بندوق نہیں۔ لیکن ہم اس کا تجزیہ کریں گے کہ بندوقیں کیوں آتی ہیں اسلحے کیوں آتے ہیں کشمیر میں۔ جن لڑکوں نے آج ہتھیار اٹھا رکھا ہے ان کے بزرگوں نے ہندوستان کے لئے جدوجہد کی ہے۔

کشمیر میں مفاد پرستوں کے ذریعے حکومت کی جاتی ہے اور یہاں عام آدمی کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ اگر کوئی ہندو فاروق عبداللہ کی بد عنوانی پر تنقید کرتا ہے تو اسے آر ایس ایس کا کہہ دیا جاتا ہے اور اگر کوئی مسلمان تنقید کرتا ہے تو اسے پاکستانی ایجنٹ کہہ دیا جاتا ہے۔ نئی دلی ہمارے ساتھ یہ سلوک کر رہی ہے اور اس طرح ہمیں دیکھا جاتا ہے۔ بھیم سنگھ کا کہنا ہے کہ اپنے مستقبل کا فیصلہ ہم کشمیری خود کرنا چاہتے ہیں اس لئے ہندوستانی اور پاکستانی مداخلت کی ضرورت نہیں ہے اپنا فیصلہ کرنا ہمیں آتا ہے۔ اسی لئے ہم ہندو مسلم کو سر جوڑ کر بیٹھ رہے ہیں تاکہ مسئلہ کشمیر کا کوئی حل نکل سکے۔

بظاہر یہ بہت اچھی بات ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا تمام کشمیری گروپ ایک نکتے پر متفق ہو سکتے ہیں اور یہ سوال بھی ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کی مداخلت کے بغیر جو فیصلے کئے جائیں گے کیا یہ دونوں حکومتیں ان کو تسلیم کریں گی؟ کیا ہندوستان کی مسلح افواج کشمیر سے انخلا کر جائیں گی اور کیا مرکز کی مرضی کے بغیر کشمیر کے حالات میں تبدیلی آسکتی ہے۔ کیا ذاتی مفادات کی تکمیل کی خاطر کشمیر کو دار پر چڑھانے والے عناصر چپ ہو جائیں گے اور پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ پروفیسر بھیم سنگھ کی اس کے پیچھے نیت کیا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ کسی گروپ یا کسی حکومت کے ہاتھوں آلہ کار بن رہے ہوں اور ان کی مرضی و منشا کے مطابق فیصلہ کروانا چاہتے ہوں۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ کشمیری اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کریں لیکن اس کے لئے کچھ شرائط اور کچھ ضابطے بھی ہیں۔ ان شرائط اور ضابطوں سے الگ ہٹ کر کیا کوئی فیصلہ لیا جا سکتا ہے اور کیا اس کی کوئی اہمیت ہوگی؟

●

مناسب رشتے

سنی سید غریب گھرانے کی دو لڑکیاں جن کے والد کا انتقال ہو چکا ہے عمر تقریباً 27 سال، 25 سال، تعلیم بالترتیب انٹر، بی اے بی ایڈ، مسلم اسکول میں ٹیچر، امور خانہ داری میں ماہر، نماز روزے کی پابند۔ سنی سید غریب گھرانے کے برسر روزگار لڑکوں سے رشتہ مطلوب ہے۔ دہلی اور قرب و جوار کے رشتوں کو ترجیح۔ جہیز کے متلاشی حضرات زحمت نہ کریں۔

رابطہ: سید مشتاق احمد
139 سروٹ گیٹ انصاری روڈ مظفر نگر۔

سنی مسلم دین دار گھرانے کی دو لڑکیاں عمریں 25، 22 سال تعلیم ہائی اسکول، امور خانہ داری میں ماہر صوم و صلوٰۃ کی پابند، انصاری برادری میں برسر روزگار لڑکوں سے رشتہ مطلوب ہے۔ دہلی و قرب و جوار کے رشتوں کو ترجیح۔

رابطہ: 1 بسیرا اپارٹمنٹ 5-G ٹاپ فلور، ابوالفضل انکلیو جامعہ نگر، نئی دہلی۔25

بھوپال میں مقیم سنی مسلم مہذب خاندان کی دو لڑکیوں کے لئے جس میں سے ایک کی عمر 25 سال اور الیکٹریکل اور ٹی وی انجینیرنگ میں ڈپلوما ہے اور دوسری ایم ایس سی (ریاضی) ہے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔

رابطہ: ملی ٹائمز باکس نمبر 68

سنی سید تعلیم یافتہ برسر روزگار لڑکی (عمر تقریباً تیس سال) بی ایس سی، بی ایڈ، کے لئے مناسب رشتہ درکار ہے۔

رابطہ: ملی ٹائمز باکس نمبر 69

خوبصورت تجربہ کار ذاتی روزگار سے وابستہ 35 سالہ ایم اے تعلیم یافتہ لکھنؤ میں مقیم لڑکی کے لئے موزوں رشتہ مطلوب ہے۔

رابطہ: ملی ٹائمز باکس نمبر 70

دہلی میں مقیم معزز خاندان کی گھریلو اور پروفیشنل تعلیم سے آراستہ لڑکی (عمر 33 سال، قد 162 سینٹی میٹر) کے لئے سنی مسلم بزنس مین / ایکزیکٹو سے رشتہ مطلوب ہے۔

رابطہ: ملی ٹائمز باکس نمبر 71

دو لڑکیوں کے لئے جن میں ایک ایم بی بی ایس تیسرے سال کی طالبہ ہے (عمر 27 سال، قد سوا پانچ فٹ تقریباً) اور دوسری نے ایم اے فائنل کیا (عمر 20 سال قد 5 فٹ) سنی مسلم لڑکوں سے رشتہ مطلوب ہیں۔ لڑکیوں کے والد یو پی ایس سی میں انجنیر ہیں اور ماں گورنمنٹ اسکول میں ٹیچر۔ ڈاکٹر، انجینیر اور افسر کو ترجیح دی جائے گی۔

رابطہ: ملی ٹائمز باکس نمبر 72

سنی مسلم پٹھان والدین کو اپنی ذہین کانونٹ اسکول میں تعلیم یافتہ لڑکی (عمر 27 سال قد 5 فٹ، وزن 45 کلو) کے لئے جس نے ایم ایس سی الیکٹرونکس میں کیا ہے اور برسر روزگار ہونے کے ساتھ ساتھ بزنس بھی سنبھالتی ہے۔ تجارت پیشہ خاندان کے اعلیٰ تعلیم یافتہ خوش حال انجینیر لڑکے سے رشتہ مطلوب ہے۔

رابطہ: ملی ٹائمز باکس نمبر 73

سنی شیخ خاندان کو ایم اے کانونٹ تعلیم یافتہ چھریرے بدن کی لڑکی (عمر 24 سال قد تقریباً ساڑھے پانچ فٹ) کے لئے اعلیٰ تعلیم یافتہ افسر سے رشتہ مطلوب ہے۔

رابطہ: ملی ٹائمز باکس نمبر 74

سنی شیخ (حنفی) اعلیٰ تعلیم یافتہ معزز خاندان کے والدین کو اپنی ذہین اسمارٹ مہذب دلکش کانونٹ کی پڑھی ہوئی امور خانہ داری میں ماہر بی ایس سی بی ایڈ لڑکی (عمر 25 سال) کے لئے معزز خاندان کے لڑکے سے رشتہ مطلوب ہے۔ شادی جلد کرنی ہے۔ مکمل تفصیل ارسال فرمائیں۔

رابطہ: ملی ٹائمز باکس نمبر 75

تجارت پیشہ خاندان سے تعلق رکھنے والی سنی صدیقی خوبصورت گھریلو ایم اے لڑکی (عمر 26 سال قد 153 سینٹی میٹر) کے لئے سرکاری ملازم، ڈاکٹر، انجینیر ترجیحاً گزیٹیڈ افسر سے رشتہ مطلوب ہے۔

رابطہ: ملی ٹائمز باکس نمبر 76

لکھنؤ کے اعلیٰ تعلیم یافتہ سنی خاندان کو اپنی دلکش اور اسمارٹ سب سے چھوٹی بیٹی (عمر 28 سال، قد 5 فٹ 3 انچ ایم اے ایم ایڈ کانونٹ تعلیم یافتہ) کے لئے موزوں رشتہ مطلوب ہے لڑکی کے بھائی گلف میں اچھی پوسٹ پر ملازم ہیں۔

رابطہ: ملی ٹائمز باکس نمبر 77

سنی شیخ صدیقی خاندانوں کی خوبصورت گھریلو بی اے سال اول کی طالبہ کے لئے جہیز یا دیگر مطالبات سے بے نیاز مہذب مذہبی خاندان کے لڑکے سے رشتہ درکار ہے۔

رابطہ: ملی ٹائمز باکس نمبر 78

معزز حیدرآبادی خاندان سے تعلق رکھنے والے دہلی میں مقیم والدین کو اپنی بہت خوبصورت ذہین بی ایس سی سردست سسٹم مینیجمنٹ میں کمپیوٹر ڈپلوما کا کورس کرنے والی لڑکی (عمر تقریباً 28 سال) کے لئے معزز و مہذب خاندان کے لڑکے سے رشتہ درکار ہے۔

رابطہ: ملی ٹائمز باکس نمبر 79

سنی مسلم پٹھان گھرانے کی اوسط رنگ خوبصورت صحت مند چار ہزار آمدنی والی مستقل گورنمنٹ ٹیچر لڑکی (عمر 35 سال، قد 5 فٹ 3 انچ) کے لئے ترجیحاً دہلی میں مقیم پروفیشنل سرکاری ملازم سے رشتہ مطلوب ہے۔

رابطہ: ملی ٹائمز باکس نمبر 80

لڑکوں کے لئے

لکھنؤ میں مقیم زمیندار اور شاہی خاندان کے سنی مسلم پٹھان (عمر 26 سال قد 172 سینٹی میٹر) تعلیم ایم ایس سی کے لئے خوبصورت مذہبی لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ لڑکے کی آمدنی پانچ اعداد میں ہے۔ لکھنؤ کے خاندانوں کے رشتوں کو ترجیح دی جائے گی۔

رابطہ: ملی ٹائمز باکس نمبر 81

جمے ہوئے کاروبار کے مالک اور پانچ عددی آمدنی والے سنی مسلم لڑکے (عمر 27 سال قد پانچ فٹ 5 انچ، تعلیم بی کام) کے لئے خوبصورت تعلیم یافتہ گھریلو لڑکی سے رشتہ درکار ہے۔ ذات و قوم کی قید نہیں۔ خواہشمند حضرات لڑکی کی تصویر شرط واپسی مع ضروری کوائف کے ارسال کریں۔

رابطہ: ملی ٹائمز باکس نمبر 82

لکھنؤ میں مقیم، یوپی کے معزز گھرانے سے تعلق رکھنے والے مشہور آرگنائزیشن میں چھ ہزار روپیہ کی ملازمت سے وابستہ ایم بی اے سنی خان لڑکے (عمر 26 سال قد ساڑھے پانچ فٹ) کے لئے اکیس سالہ پٹھان یا اس کے مساوی غیر ملازمت پیشہ خوبصورت لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ لڑکے کے بھائی یوپی میں سرکاری آفیسر ہیں۔ تفصیلات اور بشرط واپسی تصویر ارسال فرمائیں۔

رابطہ: ملی ٹائمز باکس نمبر 83

چارٹرڈ اکاؤنٹینٹ سنی شیخ مسلم لڑکے (عمر 26 سال قد ساڑھے پانچ فٹ) کے لئے جو بمبئی کی ایک فرم میں ایکزکٹو ہے اور جس کی ماہانہ آمدنی 8،500 روپئے ہے مناسب تفصیلات اور فوٹو ارسال فرمائیں۔

رابطہ: ملی ٹائمز باکس نمبر 84

خورد و سید سنی نوجوان (عمر 26 سال، قد سوا پانچ فٹ تقریباً) کے لئے جسے کسی نشے کی عادت نہیں ہے 18 سے بیس سال تک کی خوبصورت چھریرے بدن کی لڑکی سے رشتہ درکار ہے۔ ملی ٹائمز باکس 85

ذاتی اکسپورٹ بزنس کے مالک معزز خاندان سے تعلق رکھنے والے بمبئی میں مقیم خورد سنی مسلم کامرس گریجویٹ (عمر 26 سال قد 5 فٹ 8 انچ) کے لئے جسے کسی نشے کی عادت نہیں ہے۔ معزز گھرانے کی 22 سال کی عمر تک کی خوبصورت گھریلو اور مذہبی رجحان کی لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے مالی حیثیت کی کوئی قید نہیں اور لڑکے کی طرف سے کوئی مطالبہ نہیں، ضروری تفصیلات کے ساتھ بشرط واپسی تصویر بھی ارسال فرمائیں۔

رابطہ: ملی ٹائمز باکس نمبر 86

کھلی ہوئی رنگت کے معقول آمدنی والے سنی مسلم انجینیر (عمر 27 سال، قد تقریباً 170 سینٹی میٹر) کو 22 سال کی عمر کی لڑکی سے رشتہ درکار ہے۔

رابطہ: ملی ٹائمز باکس 87

سنی مسلم دین دار برسر روزگار لڑکے کے لئے ایک عالمہ سے رشتہ مطلوب ہے۔ پہلی مرتبہ میں ہی مکمل تفصیل لکھیں۔

رابطہ: 1 بسیرا اپارٹمنٹ جی-5 ٹاپ فلور ابوالفضل انکلیو جامعہ نگر، نئی دہلی۔25

گلف میں ملازم معقول تنخواہ والے پوسٹ گریجویٹ شخص (عمر 35 سال، قد ساڑھے پانچ فٹ) کے لئے جس کی پہلی بیوی سے طلاق ہو چکی ہے تعلیم یافتہ اسمارٹ اور خوبصورت لڑکی سے رشتہ درکار ہے۔

رابطہ: ملی ٹائمز باکس 88

خلیج جائیے

IMMEDIATE JOB OPENINGS

A reputable and fast growing company in Saudi Arabia with international business connections seeks young, ambitious, and qualified individuals for the position of :

BUSINESS CONSULTANTS

Qualifications

1. Good educational background, preferably with a business degree
2. Previous work experience with a bank, financial institution, or marketing organization will be a plus factor
3. Fluent in oral and written English. A working knowledge of Arabic will be an advantage
4. Preferably Saudi

Benefits

1. Fixed monthly remuneration (allowance)
2. Above industry commissions and cash incentives
3. Enjoy rapid career growth
4. Plus, an opportunity to join our expansion projects overseas

We also need

RECEPTIONISTS
DEPT. SECRETARY

Qualifications :

1. Fluent in oral and written English and Arabic
2. Pleasing personality
3. Efficient in work and requires minimum supervision

Applicants are requested to come in business attire for interview .

Venue 7/F Al Salam Building, corner Al Main Olaya Road and Malik Fahad, Riyadh (in front of Saudi British Bank)

Telephone Nos 482 2260 / 464 4988 / 465 1521

Date : 2 to 7 February 1995 (open Thursday & Friday) Time 10:00 AM to 5:00 PM

ACCOUNTANT REQUIRED

- CPA
- Five years experience
- Computer proficiency
- Typing skills
- Transferable Iqama.

Please send qualification, contact phone number and a photo to:

Admin.
P.O.Box 61640 - Riyadh 11575

Urgently Required

Arabic / English Bilingual Male Clerk

B. A degree
- Under 35 years old
- Minimum 5 years experience
Trnsferable Iqama

Must be a native Arabic speaker
- Proficiency in both Arabic and English
Typewriting (Word processing skill is an advantage)

Send C/V: JICA Saudi Arabia Office
Embassy of Japan P.O. Box 90552, Riyadh 11623

JOB OPPORTUNITY IN BAHRAIN

REQUIRED URGENTLY

ELECTRICAL SALES ENGINEER

HAVING EXPERIENCE IN INDOOR, OUTDOOR, DECORATIVE LIGHT FITTINGS. QUALIFICATION - DEGREE / DIPLOMA HOLDER IN ELECTRICAL ENGINEERING OR VERY GOOD EXPERIENCE IN SALES FOR ABOVE WILL BE CONSIDERED

ELECTRICAL SALESMAN

ELECTRICAL GRADUATE ENGINEER

HAVING EXPERIENCE IN CONTRACTING ACTIVITIES SUCH AS SITE MANAGEMENT, LIAISON WITH CLIENT CONSULTANTS, ESTIMATION WORKS FOR ERECTION OF SUBSTATION, HV LV CABLING, STREET LIGHTING AND BUILDING ELECTRICAL INSTALLATION WORKS

*SEND C.V. WITH RECENT PHOTOGRAPH AND EXPECTED SALARY TO

P.O. Box 2257, MANAMA, BAHRAIN

FINISHING SUB-CONTRACTORS WANTED

Saudi German Hospital

Tel. No. (02) 683 5074 Fax No. (02) 683 5000 Ext. 5457

ARCH. CENTER

CONSULTING ARCHITECTS, ENGINEERS & PROJECT MANAGERS

URGENTLY REQUIRE THE FOLLOWING SUPERVISION STAFF FOR THE MULTI-STOREY BUILDINGS PROJECT

ONE PROJECT MANAGER (CIVIL)
ONE ELECTRICAL ENGINEER
ONE MECHANICAL ENGINEER
ONE ARCH. SUPERVISOR

EXPERIENCE REQUIRED IS 8 YEARS FOR THE PROJECT MANAGER AND 5 YEARS FOR THE REST.

P.O BOX 16558, RIYADH 11474, KSA. OR
PLEASE CALL: TEL. NO 465 6796
FAX NO. 465-4180

REQUIRED

(SAUDIS ONLY)

Experienced Computer Specialist

with sufficient qualifications to prepare and maintain programs. The applicant should hold.

- College degree in Computer Science
- Five years experience in data systems (main frame)
- Three years experience in the following: VS, COBOL II, CICS, DB2 using MVS, ESA and SQL.

Please submit your written application with C.V. and professional certificates to:

Personnel Dept.
Oerlikon-Contraves AG,
P.O. Box 5142, Jeddah 21422

A leading supplier of Readymix Concrete requires the following staff:

- MECHANICAL/ELECTRICAL SUPERVISORS.
15 years total experience is required, 5 years of which should be as a supervisor.
- LABORATORY TECHNICIANS.
5 years experience is required including site experience. Must have Saudi Driving License.
- SITE CO-ORDINATORS.
Must have at least 3 years experience supervising concrete works on sites including use of concrete pumps. Must have Saudi Driving License.
- FORMAN DRIVER.
10 years experience required including supervision of large fleets.
- BLOCK/TILE FACTORY SUPERVISOR.
5 years experience is required.
- ACCOUNTANTS.
5 years experience is required. Must be able to prepare monthly income statement.
- CONCRETE PUMP OPERATORS.
5 years experience is required.

Send c.v.'s to the :
PERSONNEL MANAGER,
P.O.BOX 688, RIYADH 11421, SAUDI ARABIA.
FAX. 4655234

بیٹیوں کی تربیت اور والدین کی ذمہ داری

بیٹیوں کے ساتھ غفلت برتنے والے والدین خیانت کا ارتکاب کرتے ہیں

اس دور میں ضروریات زندگی اور اس کے معیار میں بے پناہ اضافے کے ساتھ ساتھ انسان کی مصروفیات بھی بہت بڑھ گئی ہیں۔ ضروریات کی تکمیل میں بیشتر افراد اپنی بعض اہم سماجی ذمہ داریوں کی طرف کما حقہ توجہ دے نہیں پاتے۔ ان ذمہ داریوں میں اہل خانہ کی دیکھ بھال اور بالغ و نابالغ اولاد کی مناسب تعلیم و تربیت کو اولین اہمیت حاصل ہے خصوصاً بیٹی کی تربیت کچھ زیادہ ہی توجہ کی متقاضی ہوتی ہے۔ اگر اس کی تربیت اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے احکام کی نہج پر ہوتی رہے تو زندگی کے کسی مرحلے میں والدین کو خجالت و ندامت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

> باپ کو چاہئے کہ اپنے نفس کو ٹٹولیں، اسے گناہوں سے پاک کریں، پھر اپنی بیوی کی طرف توجہ کریں اور انہیں اللہ کے احکام کا پابند رہنے کی تلقین کریں۔ پھر اپنے گھر کو منکرات سے پاک کریں۔ اسی صورت میں اولاد کو ذلت و گمراہی سے بچا کر انہیں فضیلت و فلاح کی راہ پر لگایا جا سکتا ہے۔

اس ضمن میں ایک واقعہ نقل کرنا بے محل نہ ہوگا۔ ایک صاحب کو اپنی بیٹی کے ٹیلی فون پر کسی سے مختلف اوقات میں طویل گفتگو کے انداز سے کچھ شبہ پیدا ہوا۔ انہیں اس بارے میں کافی تشویش رہنے لگی اور دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہونے لگے۔ عجیب شش و پنج میں تھے کہ کریں کیا۔ آخر میں جب انہوں نے ایک دوست سے اپنے دل کی بات بتائی تو انہوں نے خفیہ طور پر مذکورہ ٹیلی فونی مکالمہ ریکارڈ کرنے کا مشورہ دیا۔ اس مشورے پر عمل کرتے ہوئے ایک ٹیپ ریکارڈر گھر والوں کی نگاہ بچا کر ٹیلی فون کے کمرے میں رکھ دیا گیا۔

شام کو جب باپ نے دن بھر کی ریکارڈ شدہ گفتگو سننے کے لئے ٹیپ ریکارڈر کھولا تو ایسی باتیں سن کر جو ان کے وہم و گمان میں نہ تھیں گویا ان پر بجلی گر پڑی۔

ابھی تک موصوف کو جس بات کا علم نہیں تھا وہ یہ تھی کہ ان کی بیٹی اپنے عاشق سے اکثر باتیں کیا کرتی تھی۔ اور دوسری جانب بولنے والا نوجوان اسے سبز باغ دکھاتا رہتا تھا۔ لڑکی گھٹیا فلموں کے رٹے ہوئے ڈائیلاگ دہراتی اور واہیات گانے گاتی۔ باپ نے اسے رومانی قصوں کے انداز میں کہتے ہوئے سنا کہ وہ اس نوجوان پر بری طرح فریفتہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں سن کر باپ کا کیا حال ہوا ہوگا۔

بیٹی کے باپ یقیناً انسانی نقطہ نظر سے ہمدردی کے مستحق ہیں لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ اور ان کی لڑکی دونوں کی مثال اس شخص کی ہے جس نے اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری ہو۔ اس لئے لڑکی جو فلمی ڈائیلاگ اور بے سُری کے گانے گا رہی تھی یا رومانی ناولوں کے عشقیہ فقرے بول رہی تھی تو ان تک اس کی رسائی اگر ہوئی تو یقیناً والدین کی مرضی یا ان کے تجاہل و تساہل کی بنا پر ہوئی۔ اس طرح کے ناول، رسائل پڑھنے اور فلمیں دیکھنے کا موقع اگر اسے نہ دیا جاتا تو شرم و حیا کا دامن وہ اس طرح نہ چھوڑتی۔ مفسدات و منکرات کی طرف مائل کرنے کے بجائے اسے قرآن پڑھنے کی طرف متوجہ کیا جا سکتا تھا۔ سیرت نبوی سے متعلق کتابوں اور کہانیوں میں اسے دلچسپی دلائی جا سکتی تھی۔ شہوت انگیز مناظر سے بھرپور فلمیں دکھا کر، بے حیائی اور عشق و عاشقی کی ترغیب دینے والے گانے اور قصے سنوا کر یہ کیسے توقع کی جا سکتی ہے کہ ہمارے بچے اور خصوصاً بچیاں شرم و حیا کے دائرے میں رہیں اور اللہ اور رسول کے احکام کی پابندی کریں بلکہ ایسی باتیں تو انہیں بے وقعت و بے معنی لگیں گی۔

شاید لوگوں کو معلوم نہیں کہ جدید دنیا سے روشناس ہونے کے عنوان سے جو شفاف اور چمکدار میگزین اور رسائل ان کے گھروں کی زینت بنتے ہیں اور ان کی بیٹیاں جب ان کا مطالعہ کرتی ہیں تو وہ یہ سیکھتی ہیں کہ کس طرح کا لباس پہنا جائے جس سے ان کے جسم کے خطوط کی نمائش ہو اور لوگوں کی نظریں شوق دید میں ان کی طرف بار بار اٹھیں اور پڑوسیوں کے لڑکے کھڑکی میں کھڑے ہو کر ان کے عشق میں آہیں بھریں اور کیسے باپ کی نافرمانی کریں اور بھائی یا ماں پر چیخیں چلائیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اس طرح وہ یہ بھی سیکھتی ہیں کہ مردوں کے سلام کا جواب مسکراہٹ سے کیسے دیا جائے اور اس کے بعد ملاقات اور گفتگو کا سلسلہ کیسے شروع ہو۔ کاش کہ والدین اب بھی خواب غفلت سے جاگیں اور اس حقیقت کو محسوس کریں اس سے پہلے کہ بیٹیوں کو خیانت کا قصوروار ٹھہرایا جائے اور والدین نے خود بیٹیوں کی صحیح تعلیم و تربیت کی طرف سے غفلت برت کر ان کے ساتھ خیانت کا ارتکاب کیا ہے۔ یہ خیانت اسی وقت ہو چکی تھی جب صحیح معنوں میں بیٹی نے ذہن و دل میں ایمان کو مستحکم کرنے کی ضرورت تھی۔ اس لئے اس کی بے راہ روی کے حل کی ابتداء بھی والدین سے ہوتی ہے اور انتہا بھی اگر ماں باپ کے طور طریقے درست ہیں تو اپنی اولاد کو بھی صالح بنا سکتے ہیں اور اگر وہی لاپرواہ اور غافل ہیں تو اولاد بھی صالح طور طریقوں سے منحرف رہے گی۔ وہی بات ہوتی کہ اگر گھر کا مالک راگ و رنگ میں غرق رہے گا تو باقی افراد بھی اس کے ساتھ رقص کرنے لگیں گے۔

باپ کو چاہئے کہ اپنے نفس کو ٹٹولیں، اسے گناہوں سے پاک کریں، پھر اپنی بیوی کی طرف توجہ کریں اور انہیں اللہ کے احکام کا پابند رہنے کی تلقین کریں۔ پھر اپنے گھر کو منکرات سے پاک کریں۔ اسی صورت میں اولاد کو ذلت و گمراہی سے بچا کر انہیں فضیلت و فلاح کی راہ پر لگایا جا سکتا ہے۔

آپ اپنی بیوی کے مزاج کی رقت آمیزی کو اعمال خیر کی طرف موڑ دیں

فقہی سوال اور ان کے جواب

سوال: جب سے میں نے ہوش سنبھالا مجھے عورتوں کے رونے دھونے سے سخت الجھن ہوتی ہے۔ اللہ کے فضل سے میں شادی شدہ ہوں اور میری بیوی ایسی ہے کہ صحیح معنوں میں اپنے آنسوؤں سے ہتھیار کا کام لیتی ہے ہر چھوٹی بڑی بات پر آنسو بہانے بیٹھ جاتی ہے ابھی میری ازدواجی زندگی کا آغاز ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ بیوی کی اس عادت پر قابو پاؤں کہ اس میں تبدیلی آئے کیوں کہ مجھے ڈر ہے کہ اگر یہ عادت باقی رہی تو یہ ہماری ازدواجی زندگی پر اثر انداز ہوگی۔

جواب: تو گویا کہ آپ اسباب گریہ سے دامن بچانا چاہتے ہیں۔ دنیا میں ایسا کوئی انسان نہیں ہے جس کے رونے کے پیچھے کوئی سبب نہ ہو جہاں تک آپ کی طبیعت کا سوال ہے کہ آپ عورتوں کا رونا دھونا پسند نہیں کرتے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن شاید آپ اس کی تکلیف اور دکھ درد کو سمجھنا نہیں چاہتے اسی لئے اس کے آنسو کو فتح کے حربے سے تعبیر کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں آپ کو میں مشورہ دوں گا کہ آپ کی بیوی کی طبیعت میں جو رقت آمیزی کا عنصر ہے اس کا رخ اعمال خیر کی طرف موڑ دیں تاکہ وہ قوم کے تئیں مفید جذبے کی شکل اختیار کر لے کہ اگر اس کا دل دکھے تو دوسروں کے دکھ درد کو دیکھ کر اور روئے تو گناہ اور اس کے عذاب کے خوف سے۔ میں نہیں سمجھتا کہ بیوی کے جذبات کو صحیح طور پر سمجھنے میں کوتاہی کے سبب جو مشکل پیش آ رہی ہے اس کا ازالہ نہ ہو سکتا ہو۔ اس لئے بہتر ہے کہ آپ اس کی طبیعت کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اسے اپنی قربت اور ہمدردی کا احساس دلائیں اس کے ساتھ رحمدل اور درد مند شوہر اور معلم کی طرح پیش آئیں۔ آپ کو اس کا ان شاء اللہ اچھا اثر ملے گا۔

> تاہم شرعی طریقہ یہ ہے کہ شوہر بیوی کی آگے کی لٹ پکڑ کر اس کے لئے اور اس کی فطرت سے خیر کی دعا مانگے اور اس کی فطرت کے شر سے اللہ سے پناہ مانگے اور اگر یہ خطرہ ہو کہ ایسا کرنے سے عورت بھڑک جائے گی تو اس انداز سے اس کی آگے کی لٹ پکڑے گویا کہ وہ اسے اپنے قریب کر رہا ہے پھر وہ اسے بوسہ دے پھر اس کے کان میں آواز کے بغیر زیر لب یہ دعا پڑھے "اعوذ باللہ من شرہا و شر ما جبلت علیہ" خاموشی کی شرط اس لئے ہے کہ اگر اس نے سن لیا اعوذ باللہ من شرہا تو چھوٹتے ہی کہے گی کیا مجھ میں شر بھرا ہوا ہے؟

سوال: حائضہ اگر ایک رمضان کے روزے دوسرے رمضان تک قضا کرے تو اس بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: حیض و نفاس کی حالت میں عورتوں کے لئے روزہ رکھنا اور نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ روزے کی قضا واجب ہے نماز کی نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب پوچھا گیا کہ حائضہ پر روزے اور نماز کی قضا واجب ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں روزے کی قضا پوری کرنے کا حکم ہوتا تھا نماز کا نہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ نماز دن بھر میں پانچ دفعہ پڑھی جاتی ہے اور اس کی قضاء کی ادائیگی باعث مشقت ہوگی۔ اور رمضان کے روزے سال بھر میں ایک بار رکھنے کی نوبت آتی ہے جس کی قضاء پوری کرنے میں کوئی مشقت و قباحت نہیں ہے۔ اگر کسی عورت نے شرعی عذر کے بغیر دوسرے رمضان کے بعد تک بھی قضا کی ادائیگی کو ملتوی کر دیا تو قضاء اور ہر روز کے حساب سے مسکین کو کھانا کھلانے کے ساتھ اللہ سے توبہ واجب ہے۔ اور اس طرح مریض اور مسافر نے اگر دوسرے رمضان کے بعد تک بھی روزے کی قضا کو بغیر شرعی عذر کے ملتوی رکھا تو ان دونوں پر بھی قضا کی ادائیگی اور ہر روزہ کے حساب سے ایک مسکین کو کھانا کھلانا واجب ہے۔

باقی صفحہ پر

ہمارا جسم ایک عجائب خانہ ہے

ایک انسان روزانہ سترہ ملین جراثیم اپنے جسم سے خارج کرتا ہے

ہمارا جسم صحت مند حالت میں بھی کروڑوں کی تعداد میں مختلف النوع بیکٹیریا کا گودام بنا رہتا ہے اس اعتبار سے یہ عجائب خانے سے کم نہیں۔ کسی آدمی کی جلد پر چپکے رہنے والے جراثیم کی تعداد 85 کروڑ سے ایک ارب اکیس کروڑ تک پائی جاسکتی ہے ان میں سے بعض تو اصلاً مرض دار ہیں اور بعض مختلف حالات کے زیر اثر مرض دار بن جاتے ہیں۔ ان جراثیم کو تیزابی نمک اور پسینے کے غدود سے خارج شدہ مواد سے غذا حاصل ہوجاتی ہے جب جلد کے کسی حصے پر مٹی لگ جاتی ہے تو مسامات کے ذریعے متعدد جراثیم اندر داخل ہوجاتے ہیں اور تشنج جیسے مہلک مرض کا سبب بنتے ہیں۔ صفائی سے محروم جلد پر پسینے کے خشک ہوتے رہنے سے نمک کی ایسی تہہ سی جم جاتی ہے کہ اگر جلد کہیں سے چھل یا کٹ جائے تو جراثیم کا داخلہ اور بھی آسان ہوجاتا ہے اور متعلقہ حصے میں جلن کا احساس ہوتا ہے۔ منہ کے دہانے کے اندر سو اقسام کے جراثیم موجود ہوتے ہیں اور کسی باہری جراثیم کا داخلہ غذا، سانس اور ہوا کے ذریعے ممکن ہوتا ہے۔ مرض دار یا تغیر پذیر جراثیم منہ کے میوکس میرین اور اسٹرپٹو کوکی اور ڈپلو کوکی جراثیم Tonsils پر چپکے ہوتے ہیں۔ معدہ اگر اپنا صحیح فعل انجام دیتا رہتا ہے تو جسم کے اندر Gasticguice میں توازن برقرار رہنے کی بناء پر مرض دار جراثیم اپنے مہلک اثرات نہیں چھوڑتے اور بصورت دیگر دست پیچش، ٹائیفائڈ جیسے امراض پیدا ہوجاتے ہیں۔

ایک اندازے کے مطابق انسان روزانہ 17 ملین جراثیم اپنے جسم سے خارج کرتا ہے۔ آنتوں کے اندر جراثیم کی نوعیت و ہیئت میں عمر کے ساتھ تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے۔ جب لوگ سانس لیتے ہیں تو ان کی سانس کی نالی میں بہت سے جراثیم چلے جاتے ہیں۔ سانس چھوڑنے کے مقابلے میں سانس اندر لینے کے دوران دو سو سے پانچ سو تک سے زیادہ جراثیم اندر جاتے ہیں بعض تو ناک گذرگاہ میں رہ جاتے ہیں اور بعض سانس کی نالی تک رسائی پالیتے ہیں۔ عموماً صحت مند افراد کے پھیپھڑے جراثیم سے پاک ہوتے ہیں۔ مردوں اور عورتوں کے تناسلی اعضاء کے ارد گرد بھی یہ جراثیم پلئے جاتے ہیں۔ صحت مند عورتوں کے تناسلی حصے میں ڈائیوسٹالک انزئم کی مقدار کم ہوتی ہے اور اس کے اندر موجود مادہ چونکہ تیزابی نوعیت کا ہوتا ہے اس لئے لیکٹوایسڈ بیکٹریا کے علاوہ کوئی اور جراثیم وہاں پنپ نہیں پاتا تاہم یہ جرثوماتی معیشت اسقاط حمل، نسوانی امراض اور مباشرت کے دوران اپنی ہیئت تبدیل کرتی رہتی ہیں۔ بہت سے سائنس دانوں کا خیال ہے کہ لیکٹوایسڈ عورت کی شرمگاہ کو بیماریوں سے محفوظ رکھتے ہیں اور اینٹی بائیوٹکس یا پوٹاشیم مرمیگنیٹ کا زیادہ استعمال مضر ہے۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا جسم کے اندر موجود جراثیم کی سرشت میں اور عمل میں عمر، غذا اور کام کی عادات کے مطابق تبدیلی آتی رہتی ہے۔ جب جسم کا مدافعتی نظام، ٹھنڈک، فاقہ کشی، وٹامن کی کمی اور صدمے کی وجہ سے کمزور ہوجاتا ہے تو سانس کی نالی ٹانسل، نمونیا، برونکائٹس اور نزلہ زکام کی زد میں آجاتی ہے۔ گویا کہ کسی طرح ایک جسم میں جرثوماتی نظام غیر متوازن ہوجائے تو تعود کا خطرہ بہت رہتا ہے۔ فی زمانہ معمولی پیچیدگیوں میں بھی لوگ اینٹی بائیوٹک دواؤں پر ٹوٹ پڑتے ہیں جن کا بنیادی عمل بیکٹیریائی آبادی کو ہلاک کرنا ہے جب کہ یہ دوائیں مفسد جراثیم میں امتیاز نہیں کرپاتیں۔

> فی زمانہ معمولی پیچیدگیوں میں بھی لوگ اینٹی بائیوٹک دواؤں پر ٹوٹ پڑتے ہیں جن کا بنیادی عمل بیکٹیریائی آبادی کو ہلاک کرنا ہے جب کہ یہ دوائیں مفسد جراثیم میں امتیاز نہیں کرپاتیں۔

آج کل فاسٹ فوڈ کا بڑا رواج ہے۔ غذائی عادات تیزی سے بدل رہی ہیں مرض دار جراثیم شہری ماحول میں تیزی سے پنپتے ہیں کیونکہ زیادہ افراد کم جگہ میں رہتے ہیں، سورج کی روشنی تازہ ہوا اور پانی کی کمی رہتی ہے۔ ان حالات میں ہمارے جسم کا جرثوماتی نظام مرض دار جراثیم سے نبرد آزما تو ضرور ہوتا ہے لیکن غذائیت کی کمی اور آلودگی کے ہاتھوں ان کے سامنے پسپا ہوجاتا ہے۔ بیماری کی حالت میں اب تک دوست بنے رہنے والے جراثیم بھی جسم کے دشمن بن جاتے ہیں۔

سبزیوں، پھلوں اور زیتون کے تیل کا استعمال پستان کے کینسر کو روکتا ہے

کینسر کے واقعات میں اضافے کے ساتھ ساتھ غذائی عادات و معیار سے اس کے متعلق سائنسی و طبی تحقیق کی رفتار میں بھی تیزی آئی ہے اور یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ بعض غذائیں انسان کو کینسر سے محفوظ رکھتی ہیں تو بعض ایسی بھی ہیں جو اس مرض کو بڑھانے کا سبب بنتی ہیں۔ نیویارک سے شائع ہونے والے امریکی میگزین میں زیتون کے تیل پر خصوصی مضمون میں اس پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ زیتون کا تیل عورتوں کو لاحق ہونے والے سرطان کے تناسب میں کمی لانے میں مفید ثابت ہوا ہے۔ یونان سے شائع ہونے والی ایک حالیہ تحقیق میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ سرطان میں مبتلا 1820 عورتوں اور 1548 صحت مند عورتوں کے سروے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ سبزیوں پھلوں اور زیتون کے تیل کا بکثرت استعمال پستان کے کینسر کے خطرات کو کم کرتا ہے۔ اس سے پہلے کے مطالعات سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ خواتین جو اپنی غذا میں سبزیوں کا تناسب زیادہ رکھتی ہیں ان میں کم سبزی کھانے والی عورتوں کے مقابلے میں سرطان سے متاثر ہونے کے امکانات 48 فیصد سے کم رہتے ہیں۔ اسی طرح غذا میں پھلوں کا استعمال کرنے والی عورتوں میں سرطان کے امکانات دیگر عورتوں کے مقابلے میں 32 فیصد کم ہوتے ہیں۔

زیتون کا تیل بھی ایسی چیز ہے کہ اسے دن میں ایک بار استعمال کرنے والی عورتوں میں کینسر کا امکان دیگر عورتوں کی بہ نسبت 25 فیصد کم رہتا ہے۔ تاہم یہ بھی پتہ چلا ہے کہ زیتون کے تیل کا اس طرح استعمال انہی عورتوں کے لئے مفید ہے جو سن یاس کو پہنچ چکی ہوں۔ رہ گیا پھلوں کا استعمال تو ہر عمر کی عورتوں کو سرطان سے محفوظ رکھنے میں معاون ہے۔ گذشتہ ستمبر میں امریکہ اور کناڈا کی عورتوں کی جسمانی صحت کے ایک جائزہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ عورتیں جو اپنے کھانے میں روغن دار اور چکنی چیزیں زیادہ شامل رکھتی ہیں اور سبزیوں کا استعمال کم کرتی ہیں ان میں رحم کے سرطان کے واقعات زیادہ رونما ہو رہے ہیں۔ کناڈا کی ٹورنٹو یونیورسٹی میں کی گئی تحقیق سے بھی یہ ثابت ہوگیا ہے کہ عورتوں کی غذا میں سبزیوں کی ہر دس گرام کی مقدار رحم کے کینسر کے امکان کو 37 فیصد تک گھٹاتی ہے اور اس کے مقابلے میں وہ عورتیں جو سبزی کو نظر انداز کرتی ہیں چکنائی اور روغن دار چیزوں کی ہر دس گرام کی مقدار رحم کے کینسر کو 20 فیصد تک بڑھاتی ہے۔

صورت حال یہ ہے کہ امریکہ میں ہر فرد روزانہ 30 گرام تک استعمال کرتا ہے اور چکنائی کی اس مقدار کا بیشتر حصہ مرغ و دیگر جانوروں کا گوشت پنیر اور مکھن وغیرہ میں ہوتا ہے۔ زیتون کا تیل واحد چیز ہے جس میں چپکنے مادے نہیں ہوتے اسی لئے بناسپتی تیلوں میں یہی ایسی شئے ہے جو امراض قلب اور دیگر عارضوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

ہارورڈ یونیورسٹی میں ماحولیات اور وبائیات میں مصروف تحقیق ڈاکٹر ڈیسریوس کا خیال ہے کہ امریکہ اور کنیڈا کی عورتوں میں رحم کے کینسر کے خطرے کو 50 فیصد تک کم کرنے کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ عام چکنائیوں کے بجائے زیتون کے تیل کا زیادہ استعمال کریں۔

جامع انگریزی اردو لغت

یہ ترقی اردو بورڈ کا ایک اہم کارنامہ بن سکتا ہے

ڈکشنری ذخیرہ الفاظ کا مجموعہ ہوتی ہے اور معنی کی تفہیم وتشریح اس کے بنیادی فرائض اور معیاری ڈکشنری زبان کی وسعت، اس کی گہرائی اور گیرائی کا اظہار ہوتی اور ذولسانی لغت کا کام ایک زبان سے دوسرے زبان کو الفاظ کے صحیح ماخذ اور معنی ومفاہیم سے روشناس کرانا ہوتا ہے۔ ہر ترقی یافتہ زبان میں دوسری عصری زبانوں کے علوم سے واقفیت اور استفادے کے لئے اس زبان کے ذخیرہ الفاظ کے معنی ومفاہیم سے آگہی کیلئے ذولسانی لغت کا ہونا ناگزیر ہے۔

اردو میں ذولسانی لغت کے ابتدائی نقوش اٹھارہویں صدی عیسوی میں جارج ہیڈلے کے یہاں نظر آتے ہیں اور اس سلسلہ کو بے فرگوسن، ڈنکن فاربس، پلیٹس۔ گل کرائسٹ اور فیلن وغیرہ نے آگے بڑھایا۔ ہندوستانیوں میں امیر خسرو، انشاء اللہ خاں، عبدالواسع، خان آرزو اور کئی دوسروں نے اس سمت میں اہم کاوشیں کیں۔ لیکن وقت کے بڑھتے مسائل اور زبان کے وسیع ہوتے دائرے نئے نئے علوم کا اضافہ اور نئے نئے الفاظ اور ان کے معنی کی تلاش، اور اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ہمارے یہاں اردو میں کوئی بھی معقول انگریزی اردو لغت نہیں۔ لے دے کر اردو میں رام نرائن لال الہ آباد کی اسٹوڈنٹس پریکٹیکل ڈکشنری بابائے اردو مولوی عبدالحق کی انگریزی اردو لغت۔ اور جمیل جالبی کی ترتیب کی ہوئی قومی انگریزی اردو لغت۔ مولوی عبدالحق صاحب کی انگریزی اردو لغت دستیاب لغت میں سے سے اہم ہے۔ لیکن یہ بھی خاصی پرانی ہو چکی ہے اور باقاعدہ نظرثانی اور اضافے کا کام نہیں کیا گیا ہے۔ پاکستان کی انجمن ترقی اردو نے اس کمی کو محسوس کیا اور نظرثانی اور اضافے کا کام شروع کیا۔ لیکن کے بقول جمیل الدین عالی سکریٹری انجمن پاکستان مالی وسائل کی کمی کی وجہ سے یہ کام باقاعدگی سے نہیں کیا جاسکتا۔ صرف صفحات میں جہاں جہاں جگہ تھی کچھ الفاظ کا اضافہ کردیا گیا اور کچھ حصے ضمیمے کے طور پر شامل کئے گئے اور اس کے ایڈیشن چھپ رہے ہیں۔ ہماری انجمن ترقی اردو ہند نے بھی کسی عملی کاوش کی کوشش نہیں کی بلکہ پاکستانی ایڈیشن کا عکسی ایڈیشن چھاپنے ہی پر اکتفا کیا اور اسے ہی اپنا کارنامہ تصور کرلیا۔ چند سال قبل ڈاکٹر جمیل جالبی نے قومی انگریزی اردو لغت مرتب کی لیکن یہ بھی توقعات پر پوری نہیں اتریں۔ حالانکہ جمیل جالبی اس کام کو بہتر طور پر انجام دے سکتے تھے۔ لیکن وہ اس لغت کو اور جامعیت عطا نہیں کرسکے۔

نتیجے کے طور پر ایک معیاری انگریزی اردو لغت کی کمی ایک عرصے سے شدت کے ساتھ محسوس کی جارہی تھی جو دنیا کے مختلف علوم وفنون کے الفاظ واصطلاحات پر محیط اور عصری تقاضوں کو لحوظ رکھتے ہوئے مرتب کی گئی ہو۔ ایک بہت بڑا پروجکٹ تھا جسے انفرادی طور پر انجام دینا مشکل تھا۔ اس کی ضرورت اور اہمیت کو ترقی اردو بورڈ وزارت تعلیم ہند نے محسوس کیا اور اس کی ذمہ داری انگریزی کے اسکالر اور اردو کے ممتاز ناقد پروفیسر کلیم الدین احمد کو سونپی گئی۔ جو اس کام کی نگرانی کے لئے سب سے زیادہ اہل شخص تھے پیش لفظ میں محترمہ فہمیدہ بیگم ڈائرکٹر ترقی اردو بورڈ نے صحیح اظہار خیال کیا ہے کہ "ذولسانی لغت کی تدوین مشکل ترین کاموں میں سے ایک ہے۔ دونوں زبانوں کے مزاج، آغاز، ارتقاء، ماخذ، صرف ونحو، روز مرہ محاورہ، اس کے صوتیاتی نظام ولسانی ہم آہنگی اور اصطلاحات پر قدرت حاصل کئے بغیر ذولسانی لغت کی تدوین کا تصور بھی ممکن نہیں، لہذا پروفیسر کلیم الدین سے بہتر کوئی اور شخص اس کام کو پوری ذمہ داری اور سنجیدگی کے ساتھ انجام نہیں دے سکتا تھا۔

یہ لغت چھ جلدوں میں مکمل ہوگی۔ اس کی پہلی جلد جو اے بی سی الفاظ پر مشتمل ہے ابھی شائع ہوئی ہے۔ اس کی اشاعت سے اردو میں انگریزی اردو لغت کی کمی بڑی حد تک پوری ہوجائیگی۔ اسے ترقی اردو بورڈ کا سب سے اہم کارنامہ تصور کیا جائے گا۔ زبان ہمیشہ ارتقاء پذیر رہتی ہے۔ نئے تقاضے اور تبدیلیاں نئے الفاظ کو جنم دیتے ہیں جو معنی کی تفہیم اور ترسیل کے فرائض انجام دیتے ہیں۔ نئی لغت کا یہ تقاضہ ہے کہ نئے الفاظ اور ان کے ممکن مشتقات اور نئی اصطلاحات کو لغت میں شامل کیا جائے۔ پروفیسر کلیم الدین احمد کو تقاضوں کا پورا پورا احساس تھا انہوں نے بہت سارے ایسے انگریزی الفاظ اور اصطلاحات اس لغت میں شامل کئے ہیں جو لغت کی تیاری کے دوران دوسری لغات میں شامل نہیں تھے۔ معیاری لغت کی تدوین کے دوران لغت نویس کو زبان کی فطری تبدیلیوں پر بھی نظر رکھنا ہوتا ہے تاکہ نئے الفاظ کے زیادہ سے زیادہ قریبی معنی ومفہوم پیش کئے جاسکیں۔ اس لحاظ سے یہ لغت مطلوبہ معیار پر پوری اترتی ہے۔

اس لغت میں قدیم وجدید علوم کے ممکنہ الفاظ کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور لغوی معنی کے ساتھ ساتھ اصطلاحی مفہوم بھی دیئے گئے ہیں۔ لفظ کے معنی ترجیحی ترتیب سے نمبروں کے ذریعے دیئے گئے ہیں۔ ایک لفظ مختلف علوم اور مختلف سیاق میں مختلف مفہوم کا حامل ہوتا ہے لہذا تمام مفہوم کو تفصیل کے ساتھ درج کیا گیا ہے جس کی وجہ سے معنوی گتھیاں بالکل واضح اور صاف ہوگئی ہیں انگریزی الفاظ کی قواعدی صورت، اسم، فعل، متعلق فعل، صفت، حرف ربط وغیرہ کو انگریزی لفظ کے اندراج کے بعد قوسین میں ظاہر کیا گیا ہے۔ قواعد کے مشتقات کی فہرست الگ سے شامل کی گئی ہے۔

اس لغت میں 84 علوم کی اصطلاحات کی شناخت دی گئی ہے۔ مگر ایسے علوم جنھوں نے الگ شعبہ کی حیثیت اختیار کرلی ہے ان کو متعلقہ علوم کے زمرے میں شامل رکھا گیا ہے۔ جیسے طب کے تحت اس کے متعلقہ شعبہ حیات جو اپنی انفرادی حیثیت منوا چکے ہیں انہیں طب کے عنوان سے شامل کیا گیا ہے۔

> اس لغت میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ انگریزی زبان کے الفاظ یا اصطلاحات کا اردو متبادل لفظ یا محاورہ دیا جائے ...... یہ اپنی نوعیت کی پہلی لغت ہے جس نے اپنی بڑی تعداد میں الفاظ اور اصطلاحات کے معنی اردو میں دیے ہیں۔

اس لغت میں اصطلاحات کثرت سے موجود ہیں ان کے اندراجات کا یہ طریقہ اپنایا گیا ہے کہ پہلے واحد لفظ کے لغوی معنی دیے گئے ہیں واحد لفظ کے مرکبات، سابقوں لاحقوں کے جوڑے حال ہونے والے الفاظ واصطلاحات اسی واحد لفظ کے ذیلی اندراجات ہیں۔ جیسے ایک واحد لفظ ہے۔

(1) عمر، سن، بڑھاپا، وغیرہ مدت (Age)

(2) (تاریخ وارضیات) زمانہ، عصر، مدت (Age)

صدی وغیرہ

اس کے 39 ذیلی معنوی واصطلاحی اندراجات ہیں۔ جنھیں حروف تہجی کی ترتیب سے صفحہ 99 سے 100 تک درج کیا گیا ہے۔

واحد لفظ کے بعد بالکل اسی نمونہ پر جن الفاظ کی جمع بنتی ہے جمع لفظ کے اندراجات دیئے گئے ہیں اور پھر اصطلاحات بھی حروف تہجی کے اعتبار سے پیش کئے گئے ہیں۔

الفاظ کے لسانی ماخذ کی بھی نشاندہی کی گئی ہے جس کا ماخذ معلوم نہیں ہے اس کے سامنے لکھ دیا گیا ہے۔ انگریزی میں ایک لفظ کے کئی املا کا رواج رہا ہے الفاظ کے مختلف املا بھی پیش کئے گئے ہیں مثلاً

Abalia / aboulie
Boulleu / Bolleu
Carbeling / Carbelling
وغیرہ

اس لغت میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ انگریزی زبان کے الفاظ یا اصطلاحات کا اردو متبادل لفظ یا محاورہ دیا جائے...... یہ اپنی نوعیت کی پہلی لغت ہے جس نے اپنی بڑی تعداد میں الفاظ اور اصطلاحات کے معنی اردو میں دیے ہیں۔ اس کی اشاعت ایک مستحسن قدم ہے اور ترقی اردو بورڈ کا ایک گرانقدر تحفہ ہے اردو دنیا کو خصوصاً مترجموں، مصنفوں، سائنسدانوں، زبان دانوں، رپورٹروں، اخبار نویسوں، شعبہ انتظامیہ کے کارکنوں، صحافیوں اور طلباء کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں۔ طباعت وکاغذ عمدہ اور جلد معیاری ہے ظاہری وصوری اعتبار سے نفاست کا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن اس کی ضخامت اور وزن ذرا کھٹکتا ہے جب کہ اسے کم کیا جاسکتا تھا۔ کمپوزنگ اور گٹھی ہوسکتی تھی اور باریک کاغذات سے وزن کو کم کیا جاسکتا تھا۔ آئندہ جلدوں کی اشاعت میں اس کا خیال رکھا جائے تو بہتر ہوگا۔ ویسے اردو میں اتنی اچھی لغت پیش کرنے کے لئے ترقی اردو بیورو دہلی مبارکباد کا مستحق ہے اور یہ اس کا سب سے قابل قدر کارنامہ ہے۔

Jame English Urdu Dictionary
Cheif Editor
Prof. Kalimuddin Ahmad
Vol. I
Bureau for Promotion of Urdu
West Block I, R.K. Puram
New Delhi-110067

"لینن کا مقبرہ"

سوویت نظام کے خلاف بغاوت کی دل دہلا دینے والی داستان

سوویت یونین کے خاتمے کے بعد کے زمانے میں چیچنیا کے مسئلہ پر روس کی سرزمین پر لڑی جانے والی جنگ نے صدر یلتسن کو شدید بحران سے دوچار کردیا ہے۔ چیچنیا کے صدارتی محل پر روسی جھنڈا لہرا تو ضرور دیا گیا لیکن اس کو گروزنی میں برقرار رکھنے کے لئے روس کو افغانستان کے مجاہدین جیسی گوریلا جنگ سے نبرد آزما ہونا پڑے گا۔ اس سے قطع نظر کہ چیچنیا کے باغیوں کو صدر یلتسن زیر کرسکتے ہیں یا نہیں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ صدر یلتسن کا کریملن شدت پسندوں کے نرغہ میں گھر چکا ہے۔ اصلاح پسند دھڑا ان سے پہلے ہی دور ہو چکا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ کریملن میں کے جی بی کی پھر سے پذیرائی ہونے لگی ہے۔

چیچنیا کے تئیں روسی پالیسی میں صدر یلتسن کا ساتھ دینے والے واحد شخص ولاد میرزیر نودسکی ہیں جنہوں نے روس کی تعمیر نو کا عزم کیا ہے اور جو سامیت دشمنی میں ہٹلر کے ثانی ہیں۔ کریملن پر شدت پسندوں کے غلبے سے مغرب کو خاصی تشویش لاحق ہے کیونکہ اس سے ان کا دفاعی بجٹ اوپر ہی جائے گا۔ اس کے علاوہ اس سے سب سے زیادہ عوام متاثر ہوں گے جو کے جی بی کے زیر تسلط پرولتاری ریاست کی تعمیر کے نام پر آزادی تحریر وتحریر سے پھر محروم کردئے جائیں گے۔

پلٹیزر انعام یافتہ مصنف ڈیوڈ ریمنک کی کتاب "لینن کا مقبرہ" سوویت یونین میں ٹوٹلی ٹیرین ریاست کی طاقت کو للکارنے کے جرم میں اپنی جان گنوانے والے جیالوں کی شان میں غیر معمولی نذرانہ عقیدت ہے۔ واشنگٹن پوسٹ سے رپورٹر کی حیثیت سے وابستہ ریمنک 1988 میں ماسکو میں متعین تھے جہاں انہوں نے سابق سوویت یونین کے منتشر ہونے سے پہلے وہاں رونما ہونے والے واقعات کا مشاہدہ خود اپنی آنکھوں سے کیا۔

اس کتاب کی خوبی کا راز سوویت یونین کے انتشار کے اسباب کے تجزیہ میں نہیں بلکہ سوویت نظام کے خلاف بغاوت کی لو کو جلتی رکھنے کے لئے اپنے انداز میں سر دھڑ کی بازی لگانے والے ان ہزاروں سخاروفوں اور سولزنیٹینوں کی دل ہلا دینے والی تصویر کشی میں ہے جنھیں دنیا کبھی نہ جان سکے گی۔ اس کتاب کا قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ ریمنک نے سوویت یونین کے ان سماجی سیاسی اور معاشی عوامل کا جائزہ لیا ہے جنھوں نے اس کے ماضی کو حال سے جدا کردیا۔

کتاب میں بہت سی شخصیات کا بھی احاطہ کیا گیا ہے جن میں اسٹالن کے قریبی حلقے کے آخری بقید حیات فرد سے لے کر ایک حقوق انسانی کے حامی تک شامل ہیں۔ اول الذکر لیزر کاگنووچ وہ شخص ہے جس نے اسٹالن کے حکم پر اپنے بڑے بھائی کو جیل کی کوٹھری میں قتل کردیا۔ اور حقوق انسانی کے محافظ دیمانے دہشت گردی کی مہم میں جان سے ہاتھ دھونے والے ایک لاکھ افراد کے نام

باقی صفحہ 14 پر

> تنقیدی نگاہ سے سوویت تاریخ کو دیکھنے اور تاریخ کے خالی گوشوں کو پر کرنے کی گوربا چوف کی جرأت مندانہ کوششوں نے مارکسزم کے بلند آدرشوں کے نام پر شہریوں پر مظالم کا راز افشا کردیا۔ ریمنک کے الفاظ میں تاریخ نے جب کروٹ بدلی تو کسی کو بچنے پر راضی نہ تھی اور اس کے ساتھ ہی تاریخ کے سارے ستون زمین بوس ہوگئے

Invitation Price Rs. 4/-
15 - 31 March, 1995

The Milli Times International

(India's first International Urdu Weekly)

49, Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025 Phone:6827018

R.N.I. No. 57337/94
RGD. DL No.-16036/95

ویڈیو فون

الکزینڈر گراہم بیل نے پہلی بار 1876 میں انسانی آواز کی منتقلی کا کارنامہ انجام دیا تھا اس کے بعد سے تقریباً مکمل ایک صدی تک ٹیلی فون کی حیثیت تانبے کے تار سے جڑے ہوئے خوبصورت ٹین کے ڈبے سے زیادہ نہ تھی اور اس ڈبے کا کام صوتی اشاروں کی ترسیل و توصیل تھی اس کے مقابلے میں حالیہ چند دہائیوں میں مواصلاتی ٹیکنولوجی میں بڑی تیزی سے تبدیلی اور ترقی آئی ہے اور اب اس طرح کے خواب بھی عنقریب سچ ہونے والے ہیں کہ آپ اپنے کمرے میں لگے ہوئے الارم کی نرم آواز سن کر بستر سے اٹھیں اور ویڈیو فون، ٹی وی اور پرسنل کمپیوٹر سے آراستہ ٹیلی کوم پر آپ کے مالک کی آواز سنائی دے کہ فوراً آپ کو کسی بزنس ٹور پر روانہ ہونا ہے۔ آپ بہت سے کام ادھورے چھوڑ کر ٹیکسی میں بیٹھ جائیں گے لیکن فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ چلتے وقت آپ نے پرسنل کمپیوٹر جیب میں ڈال ہی لیا تھا۔ ٹیکسی میں سے ہی اپنی بیوی کو گلوبل نمبر کی مدد سے ٹیلی فون کردیں۔ وہ گھر پر نہ ہوں تو اسی کمپیوٹر پر لگے ہوئے اسکرین پر لکھ کر الیکٹرونک میل پیغام بھیج سکتے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ آگے کے سفر کے لئے بکنگ، کسی ٹکٹ کے کینسلیشن اور ہوٹل میں کمرے کے انتظام کے سلسلے میں ہدایات بھی دے سکتے ہیں اور کسی چیز کی فراہمی کا آرڈر بھی بھیج سکتے ہیں۔ کسی حد تک عملاً ایسا ہو بھی رہا ہے کیونکہ نئی اور مخترع مواصلاتی خدمات بازار میں آنی شروع ہوگئی ہیں۔ بالشت بھر کے پرسنل کمپیوٹر میں معلومات کا پورا ذخیرہ سمویا جاسکتا ہے اور فون سے انہیں مربوط کرکے فیکس اور ای میل میسج بھیجنا بھی ممکن ہے۔ ایشیائی بازاروں میں بھی کیمرہ یا مائیکروفون اور موڈم لگے ہوئے پرسنل کمپیوٹر اب دستیاب ہیں۔ دراصل یہ کرشمہ ہے تانبے کے تار کی جگہ فائبر آپٹک کیبل کے استعمال کا جس نے بنیادی طور پر دور سے بیٹھ کر گفتگو کی غرض سے ایجاد کئے گئے آلے کو بے پناہ صلاحیتیں بخش دی ہیں۔ اس طرح ٹیلی فون لائن پہلے کے مقابلے میں آج بہت کچھ ہے جو کبھی ہمارے تصور سے باہر تھا۔ فائبر آپٹک کیبل کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ تانبے کے تاروں کے مقابلے میں اس سے ہم بیک وقت مختلف قسم کے کام لے سکتے ہیں چاہے آواز کی منتقلی ہو یا تصویر کی یا معلومات کی۔ دوسرے الفاظ میں یہ سمجھ لیجئے کہ ایک ہی لائن جو آپ کی رہائش گاہ کو ٹیلی فون سے جوڑتی ہے وہ اس کے ساتھ ہی کیبل ٹی وی کو یا گھر کے الارم کو سیکورٹی کمپنی سے یا کمپیوٹر ڈیٹا بیس سے بھی جوڑ سکتی ہے۔

ایشیائی ٹیلی کوم کمپنیاں شہری مراکز کی تجارتی عمارتوں میں فائبر آپٹک کیبل نصب کررہی ہیں جہاں سے تمام گھروں کو ان سے جوڑنا ممکن ہوسکے گا۔ ہانگ کانگ جاپان اور سنگاپور اس منصوبے کا اعلان کرچکے ہیں۔ ابھی جب کہ تار بچھائے جانے کا کام زیر تکمیل ہے وائرلیس فون استعمال کرنے والوں کے دلوں کو جیتنے کے لئے صنعتی مسابقت شروع ہوگئی ہے اور مختلف بناوٹ اور قیمتوں کے ٹیلی فون تیار کرنے والی کمپنیاں میدان میں اتر آئی ہیں جس میں جاپان کو پرسنل ہینڈی فون سسٹم (پی ایچ پی ایس) امریکہ کی پرسنل کمیونیکیشن سروسز (پی سی ایس) امریکہ کی پرسنل کمیونیکیشن نیٹ ورک (پی سی این) اور ڈیجیٹل الکٹرونک کارڈلیس ٹیلی فون (ڈی ای سی ٹی) سر فہرست ہیں۔ یہ چاروں آج سے پانچ سال قبل رائج ہونے والے سی ٹی 2 کی ترقی یافتہ شکلیں ہیں۔

الکٹرونی مواصلات کے میدان میں تازہ ترین پیش رفت یہ ہے کہ ٹیلی فون پر گفتگو کے دوران آپ اپنے مخالف کو دیکھ بھی سکیں گے گذشتہ تیس سالوں کے دوران پرسنل ویڈیو فون کے تجربے ہوتے رہے ہیں۔ لیکن طرفین کی تصویر کو بالکل صاف اور اصل رنگ میں دکھانے میں کامیابی نہیں ہوسکتی ہے اور صارفین دھندلی تصویر کے عوض کثیر رقم خرچ کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔ حالانکہ ہارڈویر میں کافی بہتری آگئی ہے لیکن تصویر ویسی ہی دھندلی ہے۔ اس میں قباحت یہ ہے کہ ابھی تک کے وضع کردہ ویڈیو ٹیلی فون میں فی سکنڈ صرف 5 سے 10 فریموں کو ریسیو کرنے کی صلاحیت ہے جب کہ سینما میں فی سکنڈ 24 فریموں کو ریسیو کرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ ویڈیو فون یا پکچر فون کی صنعت میں بھی 1970 سے اب تک اے ٹی اینڈ ٹی، مارکونی، اسکائیل کا سیو اور بی ٹی جیسی کمپنیاں اپنے اپنے امکانات کو کھنگال رہی ہیں۔